ماہنامہ نعت لاہور
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات کریمہ
جنوری ۱۹۹۵

جلد ۸ جنوری ۱۹۹۵ء شمارہ ۱

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی:
چوہدری رفیق احمد باجوہ
ایڈووکیٹ

ڈپٹی ایڈیٹر:
شہناز کوثر
اظہر محمود

مینیجر: اختر محمود

قیمت ۱۵ روپے (فی شمارہ)
۱۶۰ روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے: ۱۰۰ ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر۔ جیم پرنٹرز۔ لاہور
پبلشر: راجا رشید محمود
کمپیوٹر کمپوزنگ: نعت کمپوزنگ سنٹر
خطاط: منظر رقم
بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید۔ بک بائنڈنگ ہاؤس، ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل۔ مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
فون ۷۴۶۳۶۸۴ لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

بسم اللہ

اُس نے اپنے والدِ محترم سے کہا،

مجھے آپ سے محبّت ہے

وہ ہر ایک سے کہتا پھرا! میں والدِ مکرم کی عظمت کو سلام کرتا ہوں

اس نے ہر جگہ اعلان کیا کہ اس کے باپ عظیم ہیں، شرفِ انسانیت کی رفعتوں سے مشرّف ہیں

اس نے اپنے پدرِ بزرگوار کی تعریف سے نہ زبان کو روکا، نہ قلم کو شُو کھنے دیا

پھر، ایک دن آیا کہ باپ نے بیٹے کو کوئی کام انجام دینے کو کہا
بیٹا بولا، مجھ سے جتنی تعریف کرانا چاہیں، کرالیں۔ میں پہلے ہی آپ کو بہت بڑی ہستی سمجھتا ہوں اور اس کا اعلان کرتا رہتا ہوں
باپ نے کام کی بات دُہرائی، تو اس نے پھر تعریف میں زبان کھولی
— اب، اگر باپ نے اسے عاق کر دیا تو کیا بُرا کیا۔
میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کو اپنی امّت سے تو نہیں نکالتے، لیکن کیا یہ روّیہ درست ہے کہ ہم آپؐ کی مدحت میں تو تر زبان رہیں، آپؐ کے علوِ مرتبت کا تذکرہ تو ہر وقت کرتے رہیں، آپؐ کی خوبیاں تو بیان کرتے نہ تھکیں لیکن احکام سے روگردانی کریں، بات نہ مانیں، پیروی نہ کریں

جب حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ ہم پر شفیق ہیں، بہت زیادہ شفیق — تو ہم آپؐ کی عاداتِ کریمہ کی اتباع کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کیوں نہیں کرتے
یہ کریں گے تو ہماری زبانیں سچی ہوں گی۔

نذرانۂ عقیدت

شاہِ دیں ہر حال میں سب سے وفا کرتے رہے
جبر سہ کر بھی ہدایت کی دعا کرتے رہے

کوئی مشکل بھی نہ حضرتؐ کو ہراساں کر سکی
مصطفیٰؐ ہر حال میں شکرِ خدا کرتے رہے

ہم غلام ان کے کرم سے کس طرح محروم ہوں
خون کے پیاسوں پہ جو لطف و عطا کرتے رہے

آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی کوئی حد ہی نہیں
دشمنوں کا بھی مرے آقاؐ بھلا کرتے رہے

بدّوؤں کو آپؐ کے در سے ملا عرفانِ ذات
گُم رہوں کو آپ منزل آشنا کرتے رہے

جانور بھی آپؐ کے ہاں سر بہ خم آئے نظر
بے زبانوں کو بھی وہ حاجت روا کرتے رہے

گُمشدہ سُوئی سے پوچھو آپؐ کی نورانیت
گھُپ اندھیروں میں تبسم سے ضیا کرتے رہے

مجھ سے کیا توصیف ہو فیاضیٔ سرکارؐ کی
باندھ کر وہ پیٹ پر پتھر، سخا کرتے رہے

بانٹ کر انصاف کی خیرات سالارِ امم
دامِ غم سے بے گناہوں کو رہا کرتے رہے

جلوتوں میں بھی رہے صبر و رضا پر کاربند
خلوتوں میں بھی سجودِ شکر ادا کرتے رہے

ہم گنہ گاروں سیہ کاروں پہ ساری زندگی
رحمتوں اور برکتوں کے باب وا کرتے رہے

بیٹھ کر فیضانؔ بزمِ نعت میں ہم رات بھر
ان کی عاداتِ حسیں کا تذکرہ کرتے رہے

فیض رسول فیضانؔ (گوجرانوالہ)

حُسنِ عاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آپ ﷺ کی ہر ایک عادت نورِ قلب و جان ہے
ہم غلاموں پر خدائے پاک کا احسان ہے

صاحبِ خُلقِ عظیم و منبعِ جُود و کرم
راحتِ قلبِ حزیں ہے، درد کا درمان ہے

ماورائے رفعتِ ادراک ہے ان کا مقام
آپ کی چوکھٹ کا جبریلِ امیں دربان ہے

تابعِ وحیٔ خدا اک ایک عادت آپ کی
الغرض قرآنِ ناطق، صاحبِ قرآن ہے

فتحِ مکہ آپ ﷺ کی شانِ جلالت کا کمال
اور "لَا تَثْرِیْبَ" عفوِ عام کا اعلان ہے

آپ ﷺ کے اُسوہ سے ہٹ کر زندگی ممکن نہیں
آپ کا جادہ سراسر عظمتِ ایمان ہے

سرورِ شاہانِ عالم، اور پتھر پیٹ پر
چشمِ عالم آج تک اس فقر پر حیران ہے

آپ ﷺ کے کردار کے ہیں معترف اغیار بھی
غازۂ تہذیبِ عالم آپ کا فرمان ہے

ہے سعادت آفریں تقلیدِ شاہِؐ دو سرا
دو جہاں میں سرخروئی کا یہی سامان ہے

اللہ اللہ عظمتِ اعجازِ نُطقِ مصطفیٰؐ
ہر عدو حلقہ بگوشِ سرورِؐ ذی شان ہے

یوں کلیدِ سرفرازی آپؐ کے در سے ملی
زندگی کا ہر کٹھن رستہ بہت آسان ہے

اتباعِ شرعِ مصطفویؐ شعارِ زندگی
آپؐ کی مدحت رضاؔ ہر دور کی پہچان ہے

پروفیسر محمد اکرم رضاؔ (گوجرانوالہ)

فہرست

محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ

محمدؐ مصطفیٰؐ، خیرُ البشرؐ، محبوبِ داور ہے
شرافت، حلم، ایثار و سخاوت کا وہ پیکر ہے

فدا اس پر مِرے ماں باپ، جو ہے رحمتِ عالم
مرا آقاؐ ہے مخلوقِ خدا کا محسنِ اعظم

محبت اور اخوت کی ہمیں تعلیم دی جس نے
رواداری کا برتاؤ کیا دشمن سے بھی جس نے

جو مخلوقِ خدا کے کام آتا تھا بہرصورت
غریبوں، بے نواؤں پر سدا کرتا رہا شفقت

پسند اس نے نہ رنگ و نسل کی تفریق فرمائی
خدا ترسی فضیلت کے لئے معیار ٹھہرائی

جب اپنے دل میں انساں کی ترقی کے لئے ٹھانی
تو انساں کو سکھائیں مستقل اقدارِ روحانی

وہی کام اس سے ہیں منسوب، جن سے ہے خدا راضی
کوئی دیکھے تو اس کی سادگی، ایثار، فیاضی

زمانے بھر پہ اس نے اپنی سیرت کا اثر ڈالا
فساد و فتنہ و شر سے جہاں کو پاک کر ڈالا

تحمل، صبر، نیکی اور دیانت جس نے سکھلائی
وہ محبوبِ خدا، جس کی ثنا قرآن نے فرمائی

راجا رشید محمود

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ

ایک ایسا معاشرہ جس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی فوقیت کو کسی لحاظ سے بھی نہیں مانتا تھا اور وہاں کبھی کسی بھی طرز کی حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی، وہاں کے باسیوں نے حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بڑائی کو تسلیم کیا۔ حکومت کے قیام کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ قوم کچھ لوگوں کو اپنے سے بہتر خیال کرتی ہے، یا وہ لوگ اپنے آپ کو بوجوہ دوسروں سے برتر منوا لیتے ہیں یا ثابت کر دیتے ہیں۔ عرب کے جس معاشرے میں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا آپ منوایا، وہاں کسی زمانے میں، حکومت کی کوئی سی شکل بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ معاشرے میں خوبیاں تھیں ہی نہیں۔ یہ بھی نہیں کہ خوبیاں اپنا اثر نہیں چھوڑتیں۔ لیکن نہ یہ خوبیاں متنوّع تھیں کہ ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کر سکتیں اور نہ اِتنے زیادہ لوگوں میں تھیں کہ معاشرے پر اپنا سکّہ جما سکتیں۔

ایسے ماحول میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے چالیس برس لوگوں کے سامنے پیش کیے تو کوہِ صفا پر اس پاک زندگی کے کسی شعبے، کسی حصے پر کوئی شخص کوئی اعتراض نہ کر سکا۔ یہ تو ہوتا ہے کہ پنجاب کا کوئی مفرور اشتہاری ملزم یا مجرم سندھ کے نواح میں پیر بن کے بیٹھ جائے یا اِسی طرح کسی ایک علاقے یا ملک کا آدمی کسی دوسرے علاقے میں جا کر اپنی پارسائی

یا اچھائی کا ڈھونگ رچالے لیکن جس معاشرے میں کسی شخص کا بچپن، لڑکپن، شباب گزرا ہو حتیٰ کہ چالیس برس ایک ہی بستی میں بسر ہوئے ہوں، وہاں کے رہنے والوں سے اس کی کوئی اچھائی برائی چھپی نہیں رہتی۔ اور، اِس صورت میں حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا لوگوں کو اپنے کردار پر رائے دینے کے لئے اکٹھا کرنا اور ان سے بالواسطہ رائے طلب کرنا تحدّی کی اعلیٰ ترین شکل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ کا چالیس برس تک مطالعہ کرنے والوں کا بیک زبان ان کی صداقت کے بارے میں پکار اٹھنا، دنیا کا عدیم النظیر واقعہ ہے۔

ان لوگوں میں سے، جو کوہِ صفا پر اکٹھے ہوئے تھے، بیشتر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر کان نہ دھرا اور بعد کے برسوں میں دوسرے کفّارِ مکہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دشمنی کی انتہا کر دی۔ ایمان لانے والوں پر ظلم وستم کے ایسے ایسے انداز اختیار کیے گئے کہ آج کے دور میں بھی ان کا تصوّر رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، پریشان کرنے کی کوششیں کی گئیں، سارے بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا گیا ـ ـ ـ ـ حتیٰ کہ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے سلسلے میں بڑی بھاگ دوڑ ہوئی لیکن کسی بھی سطح پر، کسی بھی موقع پر، اخلاقی لحاظ سے کوئی جھوٹا الزام بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر نہ لگایا جا سکا۔ اس عظمت کی طرف دنیا کا کوئی معترض ٹوپی تھام کر بھی دیکھنے کی جسارت کر سکتا ہے؟

حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ میں اخلاق کے فروغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اسلام کا بنیادی منشا و مقصد معاشرے میں اخلاقی اچھائیوں کو پھیلانا ہے اور اخلاقی برائیوں سے قطع تعلق اور نفرت کرنا

ہے۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے، جہاں انھیں یہ راستہ دکھایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساجھی اور ساتھی بنیں، وہاں قرآنِ کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلاامتیازِ مذہب و ملّت انسانوں کے ساتھ بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک اور محبّت اور شفقت کی ہدایت فرمائی ہے۔

حضور سیّدِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی تبلیغ کی عمارت حُسنِ اخلاق ہی کی دیواروں سے چُنی تھی۔ جُوں جُوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حُسنِ اخلاق کے فیوض سے لوگ متمتّع ہوتے گئے، اسلامیوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ محبّت، ایثار، حُسنِ اخلاق ہی تو سب کچھ ہے۔ اسی سے تو آپ کسی کو اپنے قریب کر سکتے ہیں۔ ان اچھائیوں کو نہ اپنائیں تو معاشرہ وہی کچھ بن جاتا ہے، جو آج بنا ہوا ہے۔

حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ اسلام کو اپنے اخلاقِ حَسَنہ، اپنی عاداتِ کریمہ کے ذریعے دنیا میں پھیلایا۔ آج کی دنیا کے جو کج فہم دشمنانِ اسلام، دین کے تلوار کے ذریعے پھیلنے کی بات کرتے ہیں، ان کی اسلام دشمنی اپنی جگہ، لیکن ہمارے محترم سیرت نگاروں نے کسی جانچ پڑتال کے بغیر جب یہ قرار دینا شروع کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مدنی زندگی کے دس برسوں میں اسی سے زیادہ غزوات و سرایا کا اہتمام کیا، تو دشمنوں نے اسے اُچھالا۔ اس سے تو یہی مترشح ہوتا ہے نا، کہ مکّہ مکرّمہ میں تو حالات ایسے تھے کہ مسلمان دب کر رہے اور جونہی مدینۂ طیّبہ پہنچے، انھوں نے لڑائیاں شروع کر دیں۔ اگرچہ کُفّارِ مکہ کے ساتھ اتنی لڑائیوں کا بھی کُھلا جواز موجود ہے۔ کیونکہ جنھوں نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور مدینہ میں

بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے' ان کے ساتھ جنگ کرنا بلکہ جنگیں کرنا کسی
ضابطۂ اخلاق کی رُو سے قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ "اسّی
سے زیادہ غزوات و سرایا" کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں یہ حقیقت نظر
آتی ہے کہ بہت سے ایسے اسفارِ مبارک جو حضور سیّدُ الانبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا
نے سفارتی مقاصد کے لئے فرمائے' انہیں بھی غزوے کہا گیا ہے۔ اور سچّی بات
یہ ہے کہ آج کے زمانے میں تحقیق کا غلغلہ بہت ہے' تحقیق کرتا کوئی نہیں
ہے۔ رَٹی پٹی باتیں دہرانے کا عمل تصنیف و تالیف کے بزر جمہروں میں سے بیشتر
کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔

حضور فخرِ موجودات علیہ الثناء والصلوٰۃ کی مدنی زندگی کے پہلے سال ہی
غزوۂ ابوا کا ذکر کیا جاتا ہے' صحیح بخاری میں بھی اس کو اوّل الغزوات قرار دیا گیا
ہے جبکہ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ اس سفر میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی' نہ ایسا
کوئی مقصد نظر آتا ہے' البتہ بنو ضمرہ سے معاہدہ ضرور کیا گیا۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق' مسلمان لشکر کی ملاقات وُدّان کے مقام پر
قریش کے قافلے سے ہو گئی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم جنگ کے بغیر
ہی واپس آ گئے تھے مگر بریگیڈیئر گلزار احمد لکھتے ہیں کہ اس سفر کے دوران قریشِ
مکہ یا کسی اور قبیلے کے کسی تجارتی قافلے سے تعارُض کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ
ہی اِس ارادے سے یہ سفر اختیار کیا گیا۔ علاّمہ شبلی نے بھی ابوا کی اس مہم میں
بنو ضمرہ سے مصالحت ہی کا ذکر کیا ہے' قافلۂ قریش کی روک ٹوک کا ذکر نہیں
کیا۔ ابنِ اسحاق اور واقدی ایسے بنیادی مآخذ اس سفر کو پہلا غزوہ قرار دیتے ہیں
لیکن اسے غزوہ قرار دینا اور اس بنیاد پر غیر مسلم معترضین کو اس اعتراض کے
لیے خام مواد مہیا کرنا درست نہیں ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

- ایک غزوۂ ابوا کا کیا ذکر' ۲ھ ہی میں کیے گئے سفر بواط کو بھی "غزوۂ

بواط" لکھا جاتا ہے حالانکہ یہ سفر بھی سفارتی مقاصد کے لیے کیا گیا تھا۔ حضور
صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کوہِ رضویٰ کی طرف تشریف لے گئے اور کوہِ بواط کے
لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔ اسی طرح غزوۂ ذوالعشیرہ میں بھی کوئی لڑائی وغیرہ
نہیں ہوئی البتہ قبیلہ بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدہ کیا گیا۔

راقم الحروف اپنی بیٹی شہناز کوثر اور بیٹے اظہر محمود کے ساتھ مل کر
پندرہ بیس جلدوں پر مشتمل "سیرتِ پاک" لکھنے میں مصروف ہے۔ (پہلی دو
جلدیں چھپ چکی ہیں۔ تیسری اور چوتھی جلد زیرِ ترتیب ہے)۔ اِن شاء اللہ
اس میں' اور بہت سے معاملات کی چھان پھٹک کے ساتھ ساتھ غزوات و سرایا
کے تفصیلی جائزے اور محاکمے کے ساتھ صحیح صورتِ حال واضح کی جائے گی اور
اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی کامیابیوں
میں حُسنِ اخلاق ہی کا بنیادی حصّہ ہے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عاداتِ
کریمہ نے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور دلوں میں راسخ کرنے میں اہم
ترین اور اساسی کردار ادا کیا ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ذہنی طور پر اسلام کی تبلیغ کے حوالے
سے تمام معاملات کی ذمہ داری مولوی صاحبان کے سپرد کر رکھی ہے اور خود اِس
سلسلے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے اور سُنّتِ مصطفوی
(صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) سے رہنمائی لینے کی اَہمیّت نہیں سمجھتے۔ اور' مولوی
صاحبان کا یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے داڑھی رکھی ہوتی ہے' اس لیے وہ اس
ایک سُنّتِ سرکار (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اہمیت پر سارا زورِ بیان صَرف کر دیتے
ہیں۔ دوسری سُنّتیں بلکہ فرض جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے' یا قائم رہ
سکتا ہے' وہ ان کو بعض اوقات ثانوی اور بعض اوقات ثانوی سے بھی دُور کی
کوئی حیثیت دیتے ہیں۔ اس طرح ہم اسلامی تعلیمات کی روح تک رسائی

[illegible] نہیں کرپاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا بنیادی مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ مسلمان ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں اور دنیائے انسانیت اس سے رہنمائی حاصل کر کے دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا راستہ دیکھ لے۔

مسلمانوں پر کچھ تو اللہ کے حقوق ہیں جنھیں ادا کیے بغیر چارہ نہیں کیونکہ قرآنِ مجید کی زبان میں انسانوں اور جِنّوں کو پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت کا مقصد ہی یہ بتایا ہے تو پھر حقوق اللہ کی اہمیت کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں لیکن حقوقُ اللہ کا تجزیہ کریں تو ان کو پورا کرنے کا آخری مقصد بھی ایک صالح، پُرسکون اور طمانینت بخش معاشرہ تعمیر کرنا ہی نظر آتا ہے۔

حقوقُ اللہ کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی سے دُور نہیں کہ وہ کسی اور اچھائی کے بدلے یا محض اپنی رحمت کے باعث معاف فرما دے لیکن جب بندوں میں سے کسی کا حق کسی نے چھین لیا تو خدا تعالیٰ نے ایسا گناہ معاف نہ کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں کسی کوتاہی پر معافی کا امکان ہے۔ بندوں کے حقوق ہر حال میں ادا کرنے ہوں گے، ان میں کوئی معافی نہیں ہے۔ حضور رحمتُ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ کا اہتمام کرنے والے نے اگر کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال غصب کیا، کسی کو قتل کیا، کسی کو مارا پیٹا تو اس کی نیکیوں کا ثواب مظلوموں کو دیا جائے گا۔ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور مظلوموں کے حقوق مجرمانہ ہوئے تو مظلوموں کے گناہوں کو اس کے اعمال نامے میں جمع کر کے اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا (صحیح مسلم)

کمال یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے حقوقُ اللہ کو ادا کرنے میں

کوئی کمی، خامی رہ جائے، کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا ازالہ بعض صورتوں میں اللہ کے بندوں کو خوش کرنے کی صُورت میں ہو سکتا ہے۔ مثلاً روزہ رہ گیا یا ٹوٹ گیا تو کچھ محتاجوں کو کھانا کھلانے سے اللہ اس کوتاہی کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن اگر حقوقُ العباد میں کوئی کمی رہ جائے تو حقوقُ اللہ زیادہ سے زیادہ ادا کرنے سے بھی اس کا ازالہ نہیں ہوتا۔

ایسے میں ہمیں حقوقُ العباد کا زیادہ خیال ہونا چاہیے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ارشاداتِ گرامی کے ذریعے بھی اور اپنے عمل و کردارِ پاک کے ذریعے بھی ہمیں یہی راستہ دکھایا ہے کہ ہم معاشرے میں فضائلِ اخلاق کو رواج دیں اور رذائلِ اخلاق سے مجتنب ہوں۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کے کام آنے کی ہدایت فرمائی گئی، ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا گیا کہ عہد کرو تو اس کی پاسداری کرو۔ کسی کو تکلیف نہ دو۔ ہمسائے سے حُسنِ سلوک کا فرمان جاری ہوا۔ اس شخص کو جہنمی فرمایا گیا جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ ماں باپ کے ساتھ اتنے اچھے سلوک کا حکم ہوا کہ اسی سے جنت دوزخ کو مشروط کر دیا گیا۔ غرض، معاشرے کو اخلاق کی بنیاد پر اُستوار کرنے، قائم رکھنے اور مضبوط بنانے کی ہدایتیں جاری ہوئیں۔

اور، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے مُتّبعین کو جو جو ہدایت فرمائی، ان کے لیے جو جو حکم جاری فرمایا، کرنے اور نہ کرنے کے جن کاموں کے بارے میں ان کی رہنمائی فرمائی، ---- پہلے وہ سب کچھ خود کیا۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر عادتِ کریمہ سُنّتِ مستقلہ ہے۔ سُنّت احادیثِ مبارکہ کی عملی صورت ہے، یہی قرآنِ مجید کی تشریعی اور تشریحی شکل ہے۔ اہلِ ایمان کو آقا حضور صلی اللہ

علیہ و آلہٖ وسلم نے جو جو کچھ کرنے کا فرمان جاری کیا' خود وہ سب کچھ کر کے دکھایا۔ جن حرکتوں سے اجتناب کی ہدایت فرمائی' اپنے اعمالِ پاک کے ذریعے اور اپنے تربیت یافتہ حضرات (صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم) کی زندگیوں کے ذریعے اس اجتناب کا عملی نمونہ بھی دکھایا۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی' دونوں حیثیتوں میں کہنے اور کرنے کی دو عملی میں مبتلا ہیں۔ جو کچھ ہماری زبانیں اُگلتی ہیں' ہمارے قلم لکھتے ہیں' ہمارا عمل بعض صورتوں میں ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہم میں سے جس سے جہاں چاہیے' کسی معاشرتی خوبی کے مضمون کے موضوع پر تقریر کروا لیجئے' مقالات اور مضامین لکھوا لیجئے' لیکن یہ نہ پوچھیے کہ جن اچھائیوں اور نیکیوں کی ہم تبلیغ کر رہے ہوتے ہیں' وہ ہمارے قریب بھی پھٹکتی ہیں یا نہیں۔ اس طرح ہماری گفتار اور ہمارے کردار میں بُعدُ المشرقین ہے۔ اور' یہی منافقت ہے' جس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ العظیم نے اپنے فرمان سے اور اس کے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنی عاداتِ مبارکہ کے ذریعے نفرت کا درس دیا ہے۔

صحیح بخاری (کتاب بدء الخلق) میں ہے۔ حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں۔ میں نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔ بہت جلد دوزخ میں اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح چکر لگائے گا' جس طرح گدھا چکی کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ اہلِ دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ اے فلاں! یہ تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ جواب میں کہے گا' میں تمھیں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا

اور تمہیں بُرائی سے روکتا تھا مگر خود اس بُرائی سے نہیں رکتا تھا۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ جَلَّ و عُلا کا واضح حکم ہے "**لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ**"۔ اسلام نے ہمیں گفتار و کردار میں یکسانیت اور ہم آہنگی کی ہدایت کی ہے اور میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جو جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' وہی سب کچھ خود کر کے دکھایا ہے۔

ہم' اسلام کے نام لیواؤں کی بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے مسلمان ہونے پر مفتخر بھی ہوتے ہیں' خدا اور رسولِ خدا (جل شانہٗ و صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے محبّت کے دعویدار بھی ہیں' لیکن عملی اعتبار سے اس معیار پر پورے نہیں اترتے جو مومن کے لیے ضروری ہے۔ اس بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ دین کی تبلیغ کو شعار کیے ہوئے ہیں' صبح و مسا جن کی زبانوں پر "قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" کی گردان ہوتی ہے' علمِ دین جن کا اوڑھنا بچھونا نظر آتا ہے' جو بزعمِ خویش خدا تعالیٰ کے نائب اور "انبیاءِ بنی اسرائیل کی سطح" کے لوگ بنے ہوئے ہوتے ہیں' وہ بھی گفتار و کردار میں بُعد یعنی منافقت کا شکار نظر آتے ہیں۔

مُسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا "**اِنَّ اَکْثَرَ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءُ ھَا**" (میری اُمّت کے منافقوں کی بڑی تعداد وہ ہے جو قرآن پڑھنے والے ہیں) ایسے عالمانِ دین اور مبلغانِ اسلام میں سے اکثر کا یہ حال ہے کہ جہاں ان اماموں کے مقتدی انھیں دیکھ نہ رہے ہیں' وہاں یہ نماز نہیں پڑھتے۔ جہاں انھیں اپنے جیسے "بے نمازوں" کی کمپنی میسر آ جائے اور ان پر یہ گمان نہ ہو کہ ان کے مقتدیوں میں کوئی ان کی اس حرکت کی تشہیر کر دے گا' یہ خود نماز کا اہتمام نہیں کرتے۔ پھر' کتنے عالمانِ دین ہیں جو تصویر کے جواز کا فتویٰ دیتے

ہیں اور ان میں سے کتنے ہیں جو خود تصویر نہیں کھنچواتے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے نبیوں کی امتوں کے متعلق فرمایا، کہ ان کے حواری اور ان کے اصحاب ایسے ہوتے تھے جو ان کے طریقے پر چلتے تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے مگر بعد میں ان کے نالائق جانشین ایسے بھی ہوتے تھے کہ **یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ** (جو خود نہیں کرتے تھے، اس کے لیے کہتے تھے اور جن کاموں کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ کرتے تھے) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسوں کے خلاف جس نے اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا، وہ صاحب ایمان ہے اور جس نے صرف زبان سے جہاد کیا، وہ بھی صاحب ایمان ہے اور جس نے صرف دل ہی میں ان کے خلاف جہاد کیا، وہ بھی مومن ہے ----- لیکن جس نے اتنا بھی نہ کیا، اس کے صاحب ایمان ہونے کا کیا سوال؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کے بغیر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادات کریمہ" کے حوالے سے، احادیث مبارکہ اور کتب سیر سے معلومات جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک تو یہ واضح ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی امت کے لیے جن فضائل اخلاق کو اختیار کرنے اور جن رذائل اخلاق سے اجتناب برتنے کا حکم ارشاد فرماتے ہیں، اسے اپنے عمل کے ذریعے بھی ظاہر فرماتے ہیں۔ اس طرح ہر مبلغ اسلام کے لیے ضروری ٹھہرتا ہے کہ وہ نیکی کی جس بات کی تبلیغ و تلقین کے لیے زبان کھولے یا قلم اٹھائے، اس پر پہلے خود عمل کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو اپنے خالق و مالک جل جلالہ کے محبوب تھے، انھیں اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ ان کے ہاں ہفتوں چولھا نہ جلتا۔ لیکن آپ (صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اُمّت کی راہنمائی کے لیے، امت کو صبر، توکل، قناعت اور استغنا کا درس دینے کے لیے، اپنے لیے یہ خود اختیاری فقر اختیار کیا۔ دُنیوی لحاظ سے بھی تحقیق کریں تو سیرت کی کتابوں میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عُسرت اور غریبی پر زور دیا گیا ہے، وہ غلط ثابت ہو جاتا ہے (اس سلسلے میں تفصیلی جزئیات شہناز کوثر کی کتاب "حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معاشی زندگی" میں موجود ہیں) لیکن سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب کچھ مستحقین میں تقسیم فرمادیتے اور خود بھوکا رہنا پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح اور بہت سے معاملات ہیں جن میں حضور سیّد و سردارِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے جان بوجھ کر ایسے حالات کو خوش آمدید کہا، یا ایسی صورت اختیار کی جس میں ملّتِ اسلامیہ کے لیے راہنما اصول موجود ہوں۔ جب میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے کردارِ باوقار سے، تبلیغ کی بنیاد سچ کو قرار دیتے ہیں، اور سب کچھ جانتے ہوئے آج کے مُبلّغینِ اسلام اگر منافقت کا شکار ہوتے ہیں، تو کیا ان کا انجام عبرت ناک نہیں ہو گا۔

اس کتاب کی تالیف کا ایک مقصد قارئینِ محترم کو یہ یقین دلانا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، ان کے علوِ مرتبت اور مقامِ رفیع کا احساس کرنا بہت ضروری ہے لیکن جہاں تک آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی عاداتِ کریمہ ہیں، ان کا صرف ہمارے ساتھ تعلق ہے، وہ محض ہماری اصلاح کے لیے ہیں، ان سے ہمیں رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر ہم اگر سیرتِ رسولِ پاک (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر نظر نہیں رکھیں گے، آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی عاداتِ کریمہ سے اپنے لیے روشنی اور رہنمائی حاصل نہ کریں گے تو اندھیاروں میں بھٹکتے پھریں گے، قعرِ مذلت میں گر جائیں گے، دُنیوی اور اُخروی

زندگی میں گھاٹے کا سودا کریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جہاں آپؐ کے مقام کی رفعت کا احساس کرتے تھے، جہاں انھیں علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں آواز کو اونچا کرنا اپنی زندگی بھر کے اعمال کو حبط کروانے کے مترادف ہے، جہاں انھیں احساس تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ہاتھ، آپؐ کے ہر کام کو اپنی وحی کے مطابق اور آپؐ کے ہر فرمان کو اپنا فرمان قرار دیا ہے۔ جہاں یہ اُلوہی ہدایت ان کے قلوب واذہان میں راسخ ہو چکی تھی کہ جو صاحبِ ایمان اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو، اللہ سے استغفار چاہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی سفارش فرمائیں گے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائے گا۔ جہاں صحابۂ کرامؓ کو یہ احساس تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز پڑھاتے ہوئے منہ مقتدیوں کی طرف فرمالیں تو انھیں کوئی سوال نہیں کرنا تھا، انھیں تو بس گھوم کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے آجانا تھا اور صفیں سیدھی کر کے نماز جاری رکھنا تھا۔ جہاں یہ بات ان کے لیے حوصلہ افزا تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضو فرماتے تھے، وہ وضو کے لیے مستعمل پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، اپنے چہروں پر اور بدن پر مل لیتے تھے۔ اسی طرح جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تھُوکتے تھے، یہ صحابی تھوک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، اسے بھی اپنے چہرے اور بدن کو روشن اور صحت مند رکھنے کے لیے مَل لیتے تھے۔۔۔۔ وہاں، ان جلیلُ القدر صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) کو احساس تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ ان کے اور امت کی آیندہ نسلوں کے لیے رہنمائی کا واحد ذریعہ ہیں۔ زندگی کے مختلف مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلم نے جو جو کچھ کیا، اس کی تقلید کرنا ہمارے لیے صراطِ مستقیم ہے۔ اسی سے ہماری آخرت بنے گی اور یہی ہماری دنیا کے سنورنے کا باعث بنے گا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ ہی ہماری زندگیوں کے لیے کامل نمونہ ہے۔

اگر ہم حضور سیّدِ آدم وبنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت و عقیدت کی باتیں تو کرتے رہیں، ان کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلیں، ان کی عاداتِ کریمہ کو اپنانے کی حتی المقدور کوشش نہ کریں۔ آپؐ کی ایک آسان سُنّت یا چند میٹھی سنتوں پر عمل کرنے اور اس پر افتخار کرنے کو کافی سمجھیں اور آپؐ کی بہت سی سُنّتوں اور فرائض کے حوالے سے اچھے اور بہت اچھے کام کرنے والوں کو بھی بوجوہ مطعون کرنے ہی کو اسلام کی خدمت گردانیں تو ہم کیا کر رہے ہیں۔

اگر "حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ" کے مطالعے کے بعد کچھ لوگوں نے ان سُنّتوں پر یا ان میں سے کچھ سُنّتوں پر عمل کرنے کی راہ کو اپنا لیا اور اس طرح اسلام اور پیغمبر اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کے پیغام کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کی اہمیت کو سمجھ لیا تو یقین مانیں کہ ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ کہلائے گا، ہم میں سے ہر آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا، منافقتیں، مخاصمتیں، مخالفتیں ہمارے ماحول سے بھاگ جائیں گی، اور ہم ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے دنیا و آخرت میں سُرخرو ہوں گے۔

انسان دوستی

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انسان دوستی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے
کہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا مبعوث ہونا ہی انسانیت کی بہتری کے لیے
تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے بھٹکے انسان کی رہبری فرمائی، اسے
دینِ رحمت سے قریب کر دیا، اسے انسانی قدریں سکھائیں، اسے ایک دوسرے
سے قریب ہونا، ایک دوسرے کے دل میں گھر کرنا سکھانا، اس کو ایک اللہ کے در
پر جھکا کر ایک نہ ٹوٹنے والے رشتے میں پرو دیا، انسان کو اخوت کا درس دیا، یہ
بتایا کہ جو انسان دوسرے انسان کے دکھ سکھ کا ساتھی نہیں ہے، وہ کسی طرح
اچھا انسان نہیں ہے۔ یعنی، حضور فخرِ موجودات سرورِ کائنات علیہ السلام
والصلوٰۃ کی اس دنیا میں تشریف آوری، آپ کا اعلانِ نبوت، آپ کی تعلیمات
صرف انسان ہی کی فلاح کے لیے ہیں۔ اس سے انسان کو دنیوی اور اخروی
سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان ہونا اور صحیح معنوں میں صاحبِ ایمان رہنا
ہی انسانیت کی معراج ہے۔

حضور محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے کافروں میں اپنی حیاتِ طیبہ کے
پہلے چالیس سال گزارے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، کسی کو تکلیف نہیں
دی، سب کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ صادق اور امین مشہور ہوئے اور لوگ
سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اتنی عزت و تکریم کرتے تھے کہ اس معاشرے
میں اور کسی کی اتنی تعظیم نہیں ہوتی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
نے اعلان نبوت فرمایا تو اس معاشرے کے لوگوں نے آپؐ کو تکلیفیں پہنچائیں،
آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں پر جور و ستم کی نئی نئی مشقیں کیں لیکن سرکار
صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے صاحبِ اقتدار و اختیار ہونے کے بعد بھی ان سے
کوئی بدلہ نہیں لیا۔ اس سلسلے میں بعض واقعات "عفو و درگزر" کے عنوان کے
تحت شامل کیے جائیں گے۔ لیکن صرف یہی ایک بات کتنی ایمان افروز ہے کہ

ایک غیر مسلم آتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اسے اپنا مہمان بنا
مسجدِ نبویؐ میں ٹھہراتے ہیں۔ وہ تڑکے اٹھ کر مسجد ہی میں بول و براز کر کے
بھاگ لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے گندگی کو
صاف فرماتے ہیں اور صحابۂ کرامؓ کی پیشکش پر جواب عنایت فرماتے ہیں کہ یہ
میرا مہمان تھا۔ ادھر مہمان صاحب جلدی میں یہاں سے جاتے ہوئے اپنی کوئی
قیمتی چیز یہاں بھول گئے تھے، مجبوراً" انہیں واپس آنا پڑتا ہے۔ وہ حضور صلی
اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کردار ملاحظہ فرماتے ہیں اور اپنی کھوئی ہوئی چیز لے کر چلے
جاتے ہیں۔ اور، ایک روایت کے مطابق اپنے قبیلے کے تین سو آدمیوں کو ساتھ
لے کر مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ یہی انسان دوستی، یہی حُسنِ
اخلاق، یہی عاداتِ کریمہ اسلام کی تبلیغ کا باعث بنیں۔

آج جب ہم ایک مسلک کی مسجد میں دوسرے مسلک کے مسلمان کو
برداشت نہیں کرتے، وہابی یا شیعہ یا بریلوی یا فلاں فلاں کے مسجد میں داخلے کو
نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسلام کے نام پر نفرتیں پھیلاتے ہیں تو ہم کہاں
کے مسلمان ہیں، ہم کس سُنت پر عمل پیرا ہیں۔ کیا صرف ایک داڑھی رکھ کر
ہم نے جو سُنّت پوری کر لی ہے، اس کے بعد ہمیں ہر سُنّت سے بیزاری یا ہر
سُنّت کی مخالفت کا اجازت نامہ مل گیا ہے۔ اور یاد رکھیے کہ مسلمان آج دنیا
میں زیادہ ہوتے ہوئے بھی، اور اللہ تعالیٰ کے سب اکرام اور نعمتوں کے حاصل
ہوتے ہوئے بھی، دنیا بھر میں ذلیل و درماندہ نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ ہمارے لیے مشعلِ راہ نہیں
رہیں۔ ہم ظاہریت کا شکار ہو گئے ہیں، ہم نے اسلام کو محدود سے محدود تر کرنے
کی سازشیں کر رکھی ہیں۔ ہم غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حُسنِ اخلاق کا
تو کیا نمونہ پیش کریں گے، آپس میں شکر رنجیوں، مخاصمتوں، مخالفتوں کا شکار

ہیں، ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں، ایک دوسرے پر بم پھینک رہے ہیں۔ مسجدوں میں لوگوں کو شہید کر رہے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو جو بوڑھی کافرہ کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی، وہ بھی بیمار ہوئی تو سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بڑھیا مسلمان نہیں تھی، کافر تھی اور جو کچھ کرتی تھی، اس سے اس کا مکروہ کردار سامنے آتا ہے لیکن میرے آقا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انسانیت کی جن اعلیٰ قدروں کو نافذ و رائج کرنے کے لیے تشریف لائے، ان کی رو سے اتنے بُرے دشمن کی تکلیف میں بھی اس کی بیمار پرسی اور دلجوئی ضروری ہے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جس سے غیروں کے دل مسخر ہوئے، جس کے زیرِ اثر دشمنانِ اسلام حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہی وہ نسخہ ہے جس سے جان کے دشمنوں، خیالات و افکار کے دشمنوں اور ہر طرح کے مخالفوں کو اپنائیت کی زنجیر میں جکڑا جا سکتا ہے۔ یہی انسانیت کا اعلیٰ معیار ہے، یہی انسان دوستی ہے۔

ایک مرتبہ چند بچے ایک غزوے میں مارے گئے۔ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم ہوا تو آپ بہت آزردہ خاطر ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا "مشرکین کے بچے تم سے بھی بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر پیدائش اللہ کی فطرت پر ہوتی ہے"۔ یہ ہے انسان دوستی، یہ ہے اخلاق۔ اور، کیوں نہ ہو، اللہ کریم نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلق کو عظیم فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ یہ ہیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عاداتِ کریمہ جس سے دشمن بھی فیض یاب ہوتے ہیں، جس کے سائے تلے بچے بھی ہیں، بڑے بھی۔ جس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص یا تفریق نہیں۔ یہ سایۂ رحمت ہر

چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

مدینۂ منوّرہ میں ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو میرے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا اس کی بیمار پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے انھیں مسجدِ نبویؐ میں جگہ دی اور اجازت دی کہ وہ وہیں اپنے طریقے پر عبادت کریں۔ ایک مرتبہ ایک یہودی کی میّت اس جگہ سے گزری جہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپؐ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ تو ایک یہودی کی نعش ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں! لیکن وہ بھی جان رکھتا تھا۔

انسان دوستی کی کوئی مثال دنیا بھر میں کہیں سے ایسی مل سکتی ہے جو اِن واقعات کا عُشرِ عشیر بھی ہو۔ اور، یہ تو دو ایک واقعات کی طرف مختصر اشارے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تمام تر زندگی، حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ انسان کے ساتھ محبت و شفقت کی ایسی ہی مثالیں اپنے اندر رکھتا ہے اور یہی وہ راہ ہے جس پر انسانیت کے شرف کی منزل ملتی ہے۔ انسان اسی لیے تو اشرفُ المخلوقات بنایا گیا ہے کہ وہ انسانِ کامل، انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نقوشِ پا سے رہنمائی حاصل کر کے انسانیت کی سربلندی اور اس کے مقامِ رفعت کے لیے کوشاں ہو۔

ہمسایوں سے حُسنِ سلوک

میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ہمسایوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کے بارے میں بہت سے ارشاداتِ گرامی فرمائے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح

میں ہے، جس کو یہ پسند ہے کہ خدا اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے محبت کرے، یا جس کو خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کا دعویٰ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے۔ بخاری شریف میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جبریل نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا، اسے کہیں وراثت میں نہ شامل کرلیا جائے۔

ہمسائے تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ○ مسلمان رشتہ دار ہمسایہ ○ مسلمان ہمسایہ اور ○ کافر ہمسایہ۔ تینوں قسم کے ہمسایوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرموداتِ گرامی سے ہمسائے کے حقوق یہ متعین ہوتے ہیں۔ ہمسائے کو ذہنی یا جسمانی اذیت نہ دی جائے۔ حتیٰ الامکان حسنِ سلوک کیا جائے۔ حسبِ استطاعت انھیں تحفہ بھیجا جائے۔ ان کی عیب پوشی کی جائے۔ ہمسایوں کے رازوں کی حفاظت کی جائے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ضروری سمجھا جائے۔ دین و دنیا کی جن باتوں سے وہ بے خبر ہوں، ان میں ان کی رہنمائی کی جائے۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حسنِ سلوک کے یہ تمام مظاہر سب لوگوں کے لیے فرماتے تھے، اس میں ہمسائے یا دور کے کسی باسی کی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ پھر مکہ مکرمہ میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسائے زیادہ تر کافر تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ سلوک کے باوجود، اعلانِ نبوت کے بعد آپؐ کے ساتھ نہایت معاندانہ سلوک کرتے تھے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے کسی برے سلوک پر ان سے جھگڑا نہ فرماتے، صرف اتنا فرماتے کہ یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ اور بس۔

مکہ مکرمہ میں ابن الاصدا ہذلی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا ہمسایہ تھا جو گھر کے اندر آپؐ کو اذیت دیا کرتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے، یہ اور اِس جیسے کچھ اور لوگ، گندگی اس طرح پھینکتے کہ وہ ٹھیک آپؐ پر جا گرتی یا ہانڈی میں جا گرتی۔ جب یہ گندگی پھینکی جاتی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے لکڑی سے ہٹاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر صرف یہ فرماتے۔ "اے بنی عبدِ مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے"۔ پھر اس گندگی کو ایک طرف ڈال دیتے۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ہمسائے گھر کے اندر بھی آپؐ کو اذیتیں دیتے تھے، ان میں عدی بن حمرا ثقفی بھی شامل ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ میں اپنے دو بد ترین ہمسایوں کے درمیان تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں گندگی جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر پھینک دیتے۔ آپؐ یہ دیکھتے تو نہایت نرمی اور مہربانی سے فرماتے "یہ کیا حقِ ہمسائیگی ہے" اور اسے ہٹا دیتے۔ اور ہمسایوں کے اس سلوک پر بھی ان سے ناراضی کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک دن اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ پڑوس میں ایک نہایت غریب بُڑھیا رہتی ہے جسے کھانے پینے کی بے حد تکلیف ہے کیونکہ اس کا کمانے والا کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سُن کر بہت دکھی ہوئے اور فرمایا کہ جب تک تم اس عورت کے کھانے اور کپڑے کا انتظام نہ کرلو، نہ خود کھاؤ پیو اور نہ پہنو اور نہ ہی مجھے کھانے پینے اور پہننے کو دو۔

حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ ایک بار جہاد کے ارادے سے

نکلے تو ارشاد فرمایا "جس نے اپنے پڑوسی کو ایذا پہنچائی، وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا"۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ "یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیکَ وسلم! میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار میں پانی ڈالا تھا"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے"۔

بخاری شریف میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تین بار خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے لیے ان کے گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی۔ جب وہ آئے تو پہلے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو گوشت بھیجا ہے کیونکہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جبریل مجھے ہمسائے کے بارے میں برابر وصیّت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں ہمسائے کو وارث ہی نہ بنا دیا جائے۔

مدینۂ کریمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے کے بعد ابنِ سعد کے مطابق سب سے پہلا کھانا آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے ہمسائے میں زید بن ثابت رہتے تھے۔ اس وقت، زرقانی کے بقول، ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ ان کی والدہ نے کھانا پکا کر بھیجا اور پہلا کھانا جو میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تناول فرمایا، یہی تھا۔ حضرت زید بن ثابت بہت زیرک تھے۔ "النبی الاطہر" میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ تشریف لاتے ہی انھوں نے حاضر ہو کر سترہ سورتیں زبانی سنا دی تھیں۔ انھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حکم سے عبرانی اور سریانی زبانیں چند دنوں میں سیکھ لی تھیں۔ حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے

پڑوس میں رہتا تھا۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو کسی کو بھیج کر مجھے طلب فرما لیتے اور میں حاضر ہو کر وحی کو قلم بند کر لیا کرتا تھا۔

مطلب یہ ہوا کہ مدینۂ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پہلے ہمسائے کے ساتھ آپؐ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے انھیں کئی زبانیں سکھا دیں، انھیں کاتبِ وحی ہونے کا اعزاز بخشا، ان کا لایا ہوا کھانا سب سے پہلے تناول فرمایا۔

جب مسجدِ نبویؐ اور حجرے تعمیر ہو گئے تو سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی قریبی ہمسائیگی مسجد ہی کی تھی اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ہمسایوں کے ساتھ سلوک روا رکھنے کی جو تلقین آپؐ نے مومنوں کو فرمائی، وہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہر کس و ناکس کے ساتھ روا رکھتے ہی تھے۔ اللہ کریم ہمیں بھی اچھے ہمسائے بننے کی اُلوہی اور مصطفویؐ ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایفائے عہد

عہد دو اشخاص کے درمیان ہو، دو جماعتوں کے مابین ہو یا دو قومیں آپس میں کریں، وہ زندگی کے کسی شعبے سے متعلق ہو، اسے وفا کرنا ضروری ہے۔ ایک پُرسکون اور رنجشوں دُشمنیوں سے دور معاشرے کے قیام کے لیے ایفائے عہد کی اہمیت مسلّم ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دنیا میں تشریف آوری اور آپ کے اعلانِ نبوت و رسالت کی بنیادی غایت یہی ہے کہ حُسنِ خلق کی برکات سے پورا معاشرہ مستفید و متمتع ہو، کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لیے دل میں کوئی کدورت یا شکر رنجی نہ پائے اور محبّتوں کا دور دورہ ہو۔ اللہ کریم جلّ شانہٗ العظیم اور حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے

و فرمودات کے زیرِ اثر عہد کو پورا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جب
کو اس کا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم ایسا
بہ اولیٰ اور بدرجہ اتم کرتے تھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اسی کام کی
تلقین و ہدایت فرماتے جس پر پہلے خود عمل فرماتے' ۔۔۔۔ اس حوالے سے
بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے۔ آپؐ کی عادت مبارکہ رہی
کہ جب بھی کوئی بات طے ہو گئی' آپؐ نے اس سے سرِمو انحراف نہ کیا۔ بعض
صورتوں میں بظاہر اس کا نقصان ہی ہوا لیکن آپ نے عہد کی پابندی کی اہمیت
کے پیش نظر نقصان کی کبھی پروا نہیں کی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے کا واقعہ سنن
ابی داؤد میں نقل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن ابی الحمساءؓ کہتے ہیں کہ میں نے
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ آپؐ کی کچھ رقم
میرے ذمہ باقی رہ گئی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں وہ رقم یہیں لے کر آتا ہوں۔ مگر
بھول گیا۔ تین دن کے بعد وعدہ یاد آیا' وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی
اللہ علیہ و آلہٖ و سلم وہیں موجود ہیں۔ آپؐ نے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے
تکلیف دی۔ میں تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

عین اس وقت جب بدر کی جنگ ہو رہی تھی' مسلمانوں کے مقابلے
میں لشکرِ کفار کہیں زیادہ اور کہیں زیادہ سامان حرب و ضرب سے لیس تھا۔ مسلم
شریف میں ہے کہ ایسے میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت حسیلؓ جنگ میں
شریک ہونے کے لیے نکلے تو قریش کے کافروں نے انھیں پکڑ لیا اور ان سے
عہد و پیمان لیا کہ وہ قریش کے خلاف اس جنگ میں حصہ نہ لیں گے۔ یہ دونوں
صحابیؓ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم میں حاضر ہوئے اور ساری
بات بتائی تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم دونوں چلے جاؤ اور جنگ

میں حصہ نہ لو۔ آپؐ نے اس عہد کی پابندی کو بھی لازم قرار دیا جو غیر منطقی تھا'
اس حالت میں کہ مسلمانوں کی فردی قوت کم تھی اور ایک ایک فرد کی سخت
ضرورت تھی۔

سُنن ابی داؤد میں ہے کہ قریش کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے
ابو رافعؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمالِ
نبوت دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے۔ عرض کیا کہ اب میں کبھی ان لوگوں میں واپس
نہیں جاؤں گا۔ لیکن سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا کہ میں نہ
عہد کو توڑتا ہوں' نہ پیغام بر کو قید کرتا ہوں۔ تم واپس لوٹ جاؤ اور حق کی
طرف لوٹنا چاہو تو دوبارہ واپس آ جانا۔ یہی ہوا' وہ دوبارہ آئے تو اسلام قبول کیا۔

صلح نامۂ حُدیبیہ لکھا جا رہا تھا' اس میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی
شخص اسلام قبول کر کے مکہ سے مسلمانوں کے پاس مدینہ جائے گا تو اہلِ مکہ کے
مطالبے پر مسلمان اسے مکہ واپس بھیج دیں گے۔ عین اس وقت جب یہ معاہدہ
معرضِ تحریر میں آیا' مکہ کے ایک نوجوان حضرت ابوجندلؓ زنجیریں پہنے فریادی
بن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آ کھڑے ہوئے کہ اہلِ مکہ نے
انھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں قید کر رکھا تھا اور کسی طرح قید سے نکل
بھاگے اور حُدیبیہ پہنچ گئے۔ مسلمان ان کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے اور انھیں
پناہ میں لینے کے لیے بے تاب ہو گئے لیکن حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم
نے انھیں کہا "ابوجندل! صبر کر۔ ہم اپنا عہد نہیں توڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ جلد ہی
تیرے لیے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا"۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوجندلؓ نے واپس مکہ کے قید خانے
میں پہنچ کر تبلیغِ دین شروع کر دی اور ان کے سچے جذبے کی بدولت ایک سال
کی قید کے دوران میں تین سو آدمی ایمان لے آئے۔ یہ کامیابی معاہدے کی

پابندی کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایفائے عہد کے سلسلے میں عادتِ کریمہ کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ جب آدمی وعدہ کر لے تو اس کو نبھانے کے لیے آخری حد تک جائے۔ اس میں ذاتی نقصان ہو تو بھی اور قومی لحاظ سے بھی زیاں کا اندیشہ ہو تو بھی' عہد کی پابندی ضروری کی جائے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ ایفائے عہد میں بظاہر پریشانی اور نقصان دکھائی دیتا ہو' حقیقت میں اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا ہے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی عربوں کی تہذیبی روایت کا حصہ ہے اور حضور سَیّدُ الانبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا اور آپؐ کا خاندان تو جُود و سخا اور مہمان نوازی میں مشہور ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد بھی اس حوالے سے بہت معروف رہے ہیں۔ عبدالرحمان ابنِ جوزیؒ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جَدِّ امجد حضرت کنانہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ انتہائی مہمان نواز تھے۔ اکیلے کھانا تناول کرنا پسند نہ فرماتے۔ جب کوئی ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو ایک لقمہ خود تناول فرماتے اور دوسرا پتھر پر رکھ دیتے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ حضرت قُصَی بن کلاب حاجیوں کو کھانا کھلاتے' زمزم کا پانی پلاتے اور مسافروں کی پذیرائی کرتے تھے۔ احمد زینی دحلان لکھتے ہیں کہ حضرت قُصَی کے بعد ان کے بیٹے جناب عبد مناف' پھر ان کے بیٹے جناب ہاشم' پھر ان کے بیٹے جناب عبدالمطلب' پھر ان کے بیٹے جناب ابوطالب حاجت مند حاجیوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرتے رہے۔ قاضی سلمان منصورپوری کہتے ہیں کہ حضرت ہاشم ہر سال زوّارِ کعبہ کو دعوتِ عام میں "ثرید" کھلایا کرتے تھے۔ "سیرتِ دحلانیہ" میں

حضرت عبدالمطلبؓ کے بارے میں ہے کہ ان کی مہمان نوازی کا اثر چرند و پرند و طیور تک پہنچتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحوش و طیور کے لیے کھانا بکھیر دیتے جس کی وجہ سے آپ کو پرندوں کا میزبان اور فیاض کہا جاتا۔

مہمان نوازی کے حوالے سے سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ مہمان کی خاطر مدارات فرماتے۔ اگر گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو پھر صحابہؓ کرام کو مہمان نوازی کی سعادت کی دعوت دیتے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ نے اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص آج رات اس فاقہ زدہ مہمان کی میزبانی کرے گا' اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اس پر انصار میں سے ایک صحابیؓ مہمان کو ساتھ لے گئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ صرف بچوں کے لیے کھانا ہے۔ صحابی نے کہا' بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب مہمان کھانے لگے تو چراغ بجھا دینا تاکہ وہ یہ سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں۔

صبح وہ صحابی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ رات تم دونوں میاں بیوی نے اپنے مہمان سے جو سلوک کیا' اللہ تعالیٰ اس پر تعجب کے ساتھ خوش ہوا۔

ترمذی شریف میں حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک اور عادتِ کریمہ سامنے آتی ہے کہ اگر آپؐ کے ساتھ کوئی صاحب بن بلائے دعوت پر پہنچ جاتے تھے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان مہمان کے لیے صاحبِ خانہ سے اجازت طلب فرماتے تھے اور ان کی اجازت سے انھیں دعوت میں شریک فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان نوازی میرے آقا و مولا علیہ التحیہ

والثنا کی سنت مبارکہ ہے اور جو شخص مہمان نوازی کرتا ہے، وہ حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی عادتِ مبارکہ کی پیروی اور تقلید کرتا ہے۔ نیز سرکار صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ کریمہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر مدعو لوگوں کے
ساتھ کوئی ایسا شخص آ جائے جسے دعوت نہ دی گئی ہو تو میزبان کی اجازت لی
جائے۔ اگر وہ اسے آ جانے کی اجازت دے تو وہ شخص دعوت میں شریک ہو،
ورنہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّتِ مبارکہ سے یہ بات بھی واضح ہو
گئی کہ کوئی فاقہ زدہ آ جائے اور آپ کے ہاں کھانے کو کچھ نہ ہو تو کسی قریبی
عزیز یا دوست یا محلے دار سے اس کی بھوک مٹانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔

کُفّار کے ساتھ بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی برتاؤ تھا کہ ان کی
مہمان داری اس طرح کی جاتی تھی جس طرح دوستوں کی کرتے ہیں۔ کُفّار
شرارت سے اتنا کھا جاتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے
اہل و عیال کو فاقہ کرنا پڑتا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی خاطر تواضع
میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔

لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ مہمانوں کے قیام و طعام کے انتظام
کے بعد مہمانوں کا حق ادا ہو گیا مگر حضور سیّدِ وُلدِ آدم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
عادتِ کریمہ تھی کہ آپؐ مختلف مصروفیات کے باوجود بہ نفسِ نفیس مہمانوں کی
تواضع کے لیے وقت نکالتے اور ان کی خاطر داری فرماتے۔ یوں تو بارگاہِ حبیبِ
کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا میں حاضر ہونے والا کوئی بھی ایسا نہ ہوتا تھا جو تواضع
سے محروم چلا جائے لیکن جو لوگ باقاعدہ مہمان کی حیثیت میں آتے تھے، ان
کے ساتھ مزید فیاضانہ سلوک ہوتا، ان کے لیے مزید وقت نکالا جاتا، ان کے
ساتھ مزید مہربانیاں فرمائی جاتیں، حتیٰ کہ کون و مکاں کے آقا و مولا علیہ التحیۃ

والثنا راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر گیری فرماتے۔

بخاری، مسلم، تفسیر ابنِ کثیر کے علاوہ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب
چالیس برس کی عمر مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلی وحی نازل
ہوئی تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
سے عرض کیا کہ "آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، کسب
کرتے ہیں، مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں اور مہمان نوازی فرماتے ہیں"۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہمان نوازی ایسا مسلم امر تھا کہ حضرت
خدیجہ الکبریٰؓ اس کے حوالے سے آپؐ کے کردار کی عظمت کا ذکر فرماتی ہیں۔

عیادت

جب معاشرے کی اصلاح پیشِ نظر ہو، جب معاشرے کو مثالی بھائی
چارے کا نمونہ بنانا مطمحِ نظر ہو، جب سکون و اطمینان کی عملداری مطلوب ہو۔
۔ ۔ تو ضروری ہوتا ہے کہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے حالات سے
واقف ہوں، ایک دوسرے کی تکلیف میں زبانی، مالی، بدنی طور پر مدد کریں، ایک
دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ تحائف
کے ذریعے محبت و اخوت کی بنیاد کو گہرا کریں اور ایک دوسرے کے کام آئیں۔

چنانچہ جب کوئی شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسلامی
معاشرے میں اس کی بیمار پرسی ضروری ٹھہرتی ہے۔ کسی آدمی کی علالت میں
اس کی عیادت کرنے سے اس کے دل میں گھر کیا جا سکتا ہے۔ اسے یہ بتایا جا
سکتا ہے کہ اس بیماری میں فلاں ڈاکٹر یا حکیم سے مشاورت اور علاج فائدہ مند
ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بیمار شخص کو کوئی مالی پریشانی بھی ہے تو بیمار
پرسی کے لیے آنے والے مل کر اس کے علاج کے لیے اس کی مالی مدد بھی کر
سکتے ہیں۔ اگر بیمار فرد کو کہیں لے جانا مطلوب ہے اور سواری کے حصول میں

وقت نظر آتی ہے تو عیادت کرنے والوں میں سے کوئی بھائی اس کی معاونت کر سکتا ہے۔ اس طرح معاشرے کے افراد ایک آدھ چھوٹا موٹا کام اپنے ذمّے لے کر، بیمار کی صحت یابی میں معاون ہو سکتے ہیں۔ اور یوں کام آنے والے بھائی ہمیشہ کے لیے بیمار شخص کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ محبّتیں بڑھتی ہیں، کسی صورت میں کوئی دُوری پہلے تھی بھی، تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور اخلاص و ایثار کی بنیاد پر ایک پُرسکون معاشرے کی تعمیرو تشکیل کی بے مثال صورت سامنے آ جاتی ہے۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو اچھائیاں اپنے ماننے والوں کو تلقین فرماتے ہیں، پہلے خود اپنے عمل سے کر کے دکھاتے ہیں، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب کوئی بیمار ہوتا تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بیمار کو دلاسا دیتے، اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے۔ اگر بیمار مایوسی کا کلمہ منہ سے نکالتا تو اسے پسند نہیں فرماتے تھے۔ عیادت میں مُسلم اور غیر مُسلم کی تمیزو تخصیص نہیں تھی، کسی کی بیماری کی خبر سنتے تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکہ میں سخت بیمار ہو گیا، جینے کی امید نہ رہی تو میں نے وصیت کی تیاری کر لی۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں محسوس کی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تین دفعہ دعا فرمائی، الٰہی سعد کو شفا دے ۔۔۔ اور میں صحت یاب ہو گیا۔

ایک یہودی لڑکا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور جا کر اس کے سرہانے بیٹھے۔ اسے تسلی دی اور فرمایا کہ اسلام قبول کر لے۔ لڑکے نے باپ کی طرف دیکھا تو یہودی جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حسنِ اخلاق سے بہت متاثر تھا، کہنے لگا "بیٹے ابوالقاسم کی بات مان لے"۔ لڑکا اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر آپؐ کا دل بھر آیا اور آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو روتا دیکھ کر سب لوگ رونے لگے۔

احادیثِ مبارکہ میں دو ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو کسی صحابی کی شدید علالت کی خبر نہ دی گئی۔ اس خیال سے کہ رات کا وقت ہے، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو تکلیف ہو گی ۔۔۔ اور صحابی فوت ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو سخت رنج ہوا اور آپؐ نے ان کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔

اس طرح سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ہم امتیوں کو راہ دکھا دی کہ کس طرح ہمیں ایک دوسرے کی بیماری میں عیادت کا فرض ادا کرنا ہے اور اس سلسلے میں اپنے آرام کو پیشِ نظر نہیں رکھنا ہے۔

موطا امام مالک میں ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ رحمت میں گھس جاتا ہے۔ جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت اس کے اندر گھس کر بیٹھ جاتی ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ اخوتِ اسلامی کو مختصر صورت میں حضور علیہ الصلوۃ

والسلام نے یوں فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حق ہیں۔

☆ - جب وہ اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے۔

☆ - جب کوئی مسلمان بھائی اسے دعوت دے تو وہ اسے قبول کرے۔

☆ - جب کوئی خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کرے۔

☆ - جب اسے چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے تو اس کے لیے دعا کرے **یَرْحَمُکَ اللّٰہ**

☆ - جب مسلمان بھائی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اور

☆ - جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر مسلمان دوسرے بھائی کے یہ چھ حق ادا کرنے پر تل جائے تو معاشرے میں ایک دوسرے کی گردن کاٹنے والا کوئی نہ رہے اور ہر جگہ محبت اور اخلاص سایہ فگن نظر آئے۔

مُساوات

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس دنیائے تیرہ و تار میں تشریف لانے سے پیشتر دنیا کئی گمراہیوں میں مبتلا تھی۔ لوگ رنگ اور نسل کے تفاوت میں گرفتار تھے۔ لوگ عربی اور عجمی کی تفریق کے اسیر تھے۔ لوگ آقا و غلام اور ادنیٰ و اعلیٰ کے تصوّرات کے دام میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضور رحمۃُ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان تصوّرات کی تغلیط کی، ان کے خلاف نہ صرف یہ کہ نظریہ پیش کیا بلکہ اس کی عملی صورت بھی دکھائی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس دنیائے آب و گل میں تشریف فرما ہونے سے پہلے غلامی کا عجیب و غریب طریقہ رائج تھا۔ کچھ غریب تو

موروثی غلام ہوتے تھے، کچھ لوگوں کو جو طبقۂ اشراف میں سے بھی ہوتے تھے، پکڑ کر زبردستی غلام بنا لیا جاتا تھا اور پھر ان کے گھر والے اس "آقا" کے مطالبات مان کر اپنے آدمی کو رہا کروانے پر مجبور ہوتے تھے جس کے پاس وہ غلام ہوتا تھا۔ میرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے، اپنی عاداتِ کریمہ کے زیرِ اثر دنیا سے جہاں غلامی کے اس تصوّر کا خاتمہ فرما دیا، وہاں جو غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھے یا آئے، ان کو وہ مقام عطا کیا کہ اشرافِ قریش بعض صورتوں میں ان سے کم مرتبہ ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے جلیلُ القدر صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں غزوۂ بدر کے موقع پر ایک حبشی غلام کو خُمس کا افسر مقرر کیا اور انھی کو غزوہ مریسیع میں اموالِ غنیمت کا افسر بنایا۔ یہی محترم صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔

سفرِ ہجرت کے دوران میں اپنے معتمدِ خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سُراقہ بن مالک جُعشمی کے لیے امان نامہ لکھنے کا کام ایک سیاہ فام حضرت عامر بن فہیرہؓ کو سونپا۔ آپؐ نے حضرت زاہر بن حرامؓ کو اپنا دوست فرمایا اور قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ قیمتی ہیں۔ آپ نے ایک زانو پر حضرت امام حسنؓ یا امام حسینؓ کو بٹھا کر، دوسرے زانو پر حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو بٹھایا اور اعلان فرمایا کہ میں ان سے راضی ہوں۔ دعا فرمائی کہ یا اللہ، تو بھی ان سے راضی ہو جا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوب بیوی، ہماری ماں، حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی جو بات سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرتے ہوئے جھجکتی تھیں، وہ اُسامہ بن زیدؓ منوا لیتے تھے۔ کیا ایک سیاہ فام حبشی غلام حضرت بلالؓ ہی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ان کی توجہ سے

زمین و آسمان کا دائرہ قائم ہے۔ وہ کنیز جنھیں سرکار رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ماں فرمایا، حبشی تھیں۔ یہی حضرت ام ایمن برکہ حبشیہؓ ایسی واحد خاتون ہیں جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ عرصہ تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت بلال بن رباحؓ کو یہ مقام کس نے عطا فرمایا کہ حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ ان کو "سیدنا" کہہ کر پکارتے تھے۔ کیا یہ مساوات و اخوت کی ارفع ترین مثالیں نہیں ہیں!

جب بنی مخزوم کی ایک عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی اور حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے محبوب حضرت اسامہؓ نے ان کی سفارش کی تو سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انھیں فرمایا "اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو"۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم سے پہلی امتوں پر خدا کا غضب اسی لیے نازل ہوا کہ وہ معزز آدمیوں کے جرم سے چشم پوشی کرتے اور غریب مجرموں کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کی مرتکب ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے"۔

یہ واقعہ بیان کرنے اور سننے یا پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ جب تک عدالت کا یہ معیار ہم معاشرے کے ادنیٰ و اعلیٰ پر نافذ نہیں کرتے۔ ہمارے نام تو مسلمانوں جیسے ہیں، ہم اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کا نعرہ بھی وقتاً "فوقتاً" لگاتے رہتے ہیں، لیکن اس حوالے سے ہمارے کرتوت کیا ہیں؟ ----
کیا ہم خدا کے غضب اور قہر کے مستحق نہیں ہو گئے ہیں۔ کیا غریب اور امیر کے لیے زندگی اور عدل کے بھی، الگ الگ معیار قائم نہیں ہو چکے ہیں۔ اور، کیا ہمارے منہ اس قابل ہیں کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت کی بات یا اسلام کا نام نکلے۔

مسلم شریف (باب الفضائل) میں ہے حضرت سلمان فارسیؓ اور

حضرت صہیب رومیؓ (جو غلام تھے) ایک جگہ بیٹھے تھے کہ سامنے سے ابوسفیان آیا۔ ان دونوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن پر قابو نہیں پایا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے کہا کہ سردارِ قریش کی شان میں یہ الفاظ نازیبا ہیں اور حضور آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، تم نے ان دونوں کو ناراض تو نہیں کر دیا۔ اگر ان کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ دوڑے ہوئے گئے اور ان دونوں بُزرگوں سے پوچھا کہ آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے۔ انھوں نے کہا، نہیں۔ خدا تمھیں معاف کرے۔

مُساوات کی باتیں کرنا تو کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ مسجد کی صفوں پر غریبوں، غلاموں کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہونا بھی شاید پریشان کُن نہ ہو، لیکن رشتوں ناتوں کا مسئلہ آ جائے تو دعاوی کا سچا ہونا یا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ ادنیٰ طبقوں کے لوگوں کے ساتھ شادی بیاہ کرنا، خصوصاً "لڑکی دینا عار سمجھتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہِ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کی شادی اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر کے اس کی ایسی مثال پیدا کر دی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہِ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی چیز تقسیم فرمانا ہوتی تو دائیں جانب سے شروع فرماتے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ بائیں طرف بڑے جلیل القدر صحابہؓ بیٹھے ہوتے اور دائیں جانب کوئی گمنام اور مسکین آدمی۔ لیکن آپؐ فرماتے کہ پہلے دائیں طرف والے کا حق ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اللہ

کریم کے محبوب ہیں۔ اس کا کلام آپؐ کی تعریف و ثنا سے بھرا پڑا ہے۔ وہ آپؐ
کا ذکر آپؐ کے لیے بلند کرنے کا اعلان فرماتا ہے۔ اسے اپنی قسم کھانا ہو تو بھی
"تیرے رب کی قسم" کہہ کر یہ کام کرتا ہے۔ وہ اس شہر کی قسم کھاتا ہے جس
میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم چلتے پھرتے ہیں۔ وہ اتنا کچھ عطا
فرمانے کا وعدہ کرتا ہے کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام راضی ہو جائیں۔ وہ ان کی
اطاعت کو اپنی اطاعت گردانتا ہے۔ وہ خود لوگوں کو غنی کرتا ہے اور اس کا
اعلان کرتے ہوئے اپنے اس عمل میں اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ
و سلم کو بھی شامل فرماتا ہے۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت پہنچاتے
ہیں اور وہ اسے اپنے آپ کو اذیت پہنچانا قرار دیتا ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں
کہ کسی شخص کے بارے میں بھی یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضور صلی اللہ
علیہ و آلہ و سلم کے (نعوذ باللہ) برابر ہے۔ لیکن میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے امت کی ہدایت کی خاطر، امت کو اخوت و مساوات کی تلقین کرنے کے
عمل میں، کئی معاملات میں اپنے آپ کو صحابۂ کرام کے برابر رکھا اور ان سے
برتر حیثیت قبول نہ فرمائی۔ ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ
صحابۂ کرامؓ کو حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے بڑھ کر کوئی شخص
محبوب نہ تھا لیکن جب آپؐ تشریف لاتے تھے تو صحابۂ کرامؓ تعظیم کے لیے
کھڑے نہ ہوتے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ناخوش ہوتے تھے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اس عادتِ مبارکہ کا موازنہ
آج کے مولویوں اور پیروں کے کردار سے کریں تو ان کی جسارت پر تعجب ہوتا
ہے۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ محفل میں تلاوتِ قرآن مجید ہو رہی ہے یا نعت
مبارک پڑھی اور سنی جا رہی ہے اور کوئی مولوی صاحب محفل میں در آئے
ہیں۔ تلاوت ختم ہو گئی، نعت رک گئی اور مولوی کے نعرے لگنے شروع ہو

گئے۔ مولوی نے لوگوں سے بغل گیر ہونا شروع کر دیا۔ سب لوگ اٹھ کر کھڑے
ہو گئے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا وہ ذکرِ پاک رک گیا جس کے
بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کہ ہم نے آپ کی
خاطر آپ کا ذکر بلند فرما دیا۔ جو ذکر بلند کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی
خاطر، وہ ذکر روک دیا گیا، اس کا پڑھنا سننا معطل ہو گیا، ایک مولوی کی خاطر۔
اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

ترمذی شریف کی ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ
و آلہ و سلم مفلسوں اور فقیروں کے مجمع میں بے تکلف جا کر بیٹھتے تھے اور صحابہؓ
کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آدمی آپؐ کو پہچان نہیں سکتا
تھا۔ مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی، تشریف رکھتے تھے۔ اب یہ دیکھ لیجیے کہ ہم
میں سے منبر رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) پر بیٹھنے والے اور صاحبانِ دولت
و ثروت میں سے کتنے ہیں جو سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اس عادت
مبارکہ کو اپنائے ہوئے ہیں، آپؐ کی اس سنت پر عمل کرنے کی سعی کرتے ہیں!

غزوۂ بدر کے لیے نکلے تو مسلمانوں کے پاس سواریاں کم تھیں۔ تین
آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اپنے ساتھیوں
حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ کے ساتھ باری سے اونٹ پر
سوار ہوتے رہے۔ انھوں نے عقیدت مندانہ پیش کش کی کہ آپ سوار رہیں،
ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے لیکن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تم
مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور میں اجر لینے سے بے نیاز نہیں ہوں"۔ ایسے
میں جب ہم اپنے مولویوں اور پیروں کا کردار دیکھتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے کہ یہ
بات بات پر سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کا بوجوہ ذکر کرنے والے
حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی کس کس سنت کے تارک ہیں اور کیوں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر عام مسلمان بھی مدینۂ منوّرہ کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقّت برداشت کر رہے تھے تو ان کے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا بھی محض ان کی نگرانی کے لیے ہاتھ میں چھڑی لیے ٹہل نہیں رہے تھے' جتنا ٹکڑا عام آدمی کو کھودنے کے لیے دیا گیا تھا' اتنا ہی ٹکڑا خود سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی اپنے ذمّے لیا تھا۔ بخاری شریف میں ہے' حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی اٹھا کر لے جاتے رہے' یہاں تک کہ آپؐ کا بطنِ مبارک غبار آلود ہو گیا"۔ یہی صورت میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مسجدِ قبا اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر میں اختیار فرمائی۔ خندق کھودنے کے ذکر میں سُنّت کی بات کریں تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ایک سُنّت آپؐ کا بھوکا رہ کر یہ مشقت کرنا تھا۔ آپؐ کے مبارک پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ بلکہ پیٹ کو اس حد تک رکھنا کہ اس پر پتھر بندھ سکے' یہ بھی سُنّت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ایک سُنّت کے پرچارکوں کو نہ جانے ایسی سُنتیں کیوں نظر نہیں آتیں۔ اللہ کریم حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیادہ سے زیادہ عاداتِ مبارکہ اپنانے کی توفیق بخشے اور بوجوہ کوئی ایک سُنّت اختیار کرنے کے بعد اس ایک سُنّت کے تارکوں کے خلاف طعن و دشنام کی عادت چھڑا کر اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی عادت ڈالے۔

ایک سفر میں صحابۂ کرامؓ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کے لئے مختلف کام آپس میں بانٹ لیے۔ حضور سیّدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' میں جنگل سے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابۂ کرامؓ نے بہت کچھ منّت کی کہ یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان' آپ تشریف رکھیں' ہم سب کام کر لیں گے۔ لیکن سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہیں مانے اور

اپنے حصے کا کام انجام دیا ------ اب' اگر آج کوئی شخص اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے (نعوذ باللہ) بڑا سمجھتا ہے' یا آپؐ سے زیادہ قابل عزت بننے کے زعم میں مبتلا ہے تو وہ شیطان ہو سکتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تابع فرمان امتی نہیں ہو سکتا۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ التحیہ والتسلیم کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور صحابۂ کرامؓ اس مقام کو اچھی طرح سمجھتے بھی تھے' اس کے پیشِ نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر عام اشخاص کی برابری کی سطح پر تشریف لا کر کوئی کام نہ بھی فرماتے تو اس کا جواز تھا۔ لیکن سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی موقع پر اپنے مقام کے بجائے' مساوات و اخوت کو فروغ دینے کی خاطر ایسا کیا۔ امتِ مسلمہ میں سے جو لوگ آج اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے اور دوسروں سے برتر ثابت کرنے کے زعم میں کچھ حرکتیں سنتِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی عملی مخالفت کرتے ہوئے کرتے ہیں' وہ کیا ہیں۔ ان کا کردار قابلِ عزت ہے یا لائق نفریں!

حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اپنے لیے بھی اور اپنے اعزہ و اقربا کے لیے بھی کوئی ایسی صورت پسند نہیں فرمائی جو روحِ مساوات کے خلاف ہو۔ غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہوئے اور رسیوں سے باندھ کر ڈالے گئے تھے۔ رات کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نیند نہیں آ رہی تھی' کروٹیں بدل رہے تھے۔ ایک انصاری نے وجہ پوچھی تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' مجھے' چچا عباس کے کراہنے کی آواز سے اضطراب بڑھ رہا ہے۔ انصاری یہ سنتے ہی آہستہ سے اٹھے اور عباس کی رسی کھول دی۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے انصاری سے پوچھا کہ اب عباس کی آواز کیوں

ں آ رہی؟ انھوں نے عرض کیا' میں ان کے بندھن کھول آیا ہوں۔ فرمایا'
اؤ تمام قیدیوں کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔ دوسروں کے بندھن بھی کھول
دو۔

یہ ہے مُساوات' یہ ہے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی عادت
مبارکہ' کہ نہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز رکھنا پسند فرماتے ہیں' نہ اپنے
عزیزوں کے ساتھ کسی ترجیحی سلوک کو گوارا فرماتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں محض
گفتار کا غازی نہ بنائے' کردار کا غازی بنا دے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ
و سلم کی عاداتِ مبارکہ کو زیادہ سے زیادہ اپنے عمل میں لا کر اپنی دنیا و عاقبت
سنوارنے کا اہتمام کریں۔ اپنی مرضی سے جو بات پسند آئے' اسے اپنانے اور
جسے مشکل سمجھیں' اس کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے کو عادت بنا کر دنیا و آخرت میں
گھاٹے کا سودا نہ کریں۔

تواضع اور انکسار

انسان کسی ایک یا کئی حیثیتوں میں کتنے ہی اونچے درجے پر ہو' ہر آدمی
جانتا ہو کہ یہ فلاں حیثیت میں یا کئی معاملوں میں عام لوگوں سے بہت ارفع اور
بلند ہے لیکن وہ شخص خود اپنے آپ کو عام لوگوں کی سطح پر رکھے' ان کے برابر
بیٹھے' ان سے محبت اور خلوص کا سلوک روا رکھے' انہیں معزز و محترم سمجھے اور
حقیر سے حقیر کام کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دینے میں عار محسوس نہ کرے تو
وہ شخص متواضع ہے' منکسر المزاج ہے۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ
و سلم انبیا کے سرتاج' سردار اور امام ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی' قصہ مختصر۔
ان جیسا نہ کوئی ہوا' نہ ہو سکتا ہے۔ انھیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا محبوب
قرار دیا۔ ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار قرآنِ کریم میں مختلف انداز و اسلوب

میں فرمایا۔ تمام صحابہ کرام جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا مقام
کیا ہے۔

اللہ کریم جل شانہ العظیم نے قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ
و سلم کی عزت و توقیر کی ہدایت فرمائی ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دینی تو
دینی' دنیوی اور ذاتی معاملات میں بھی سب کا فیصلہ فرمانے والے' حکم قرار دیا
ہے اور فرمان جاری کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کسی کے ذاتی
معاملے میں بھی کوئی فیصلہ فرما دیں تو اس شخص کو خود اس فیصلے کے خلاف کوئی
رائے تک دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
مسلمانوں کی جانوں کے' خود ان سے زیادہ مالک قرار دیا ہے۔

اس صورت میں اگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام غریبوں' مسکینوں اور
غلاموں کے ساتھ مل کر نہ بیٹھتے' ہر سطح پر سب کے ساتھ برابری کا سلوک نہ
فرماتے' اپنے کام خود کرنے کے بجائے اپنے نام لیواؤں سے کروا لیتے تو ہر طرح
سے حق بجانب ہوتے۔ مگر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو تو دنیا کی
رہبری اور رہنمائی کے لیے بھیجا گیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے ایک
محبت بھرا معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ آپؐ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اور
انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا اہل بنانے کے لیے راستہ دکھانا تھا۔ آپؐ
نے مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی امامت کے لیے تیار کرنا تھا اور اخوت و مساوات
کی تعلیم کو ان کے اذہان و قلوب میں راسخ کر کے ایک مثالی ماحول قائم کرنا تھا۔
اس مقصد کے لیے اللہ کریم نے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو مسلمانوں کے لیے بہترین
اور واحد عملی نمونہ قرار دیا اور مسلمانوں کو رہنمائی حاصل کرنے کے لیے جہاں
حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے ارشادات و فرمودات کو پیشِ نظر رکھنا
تھا' وہاں سرکار (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی عاداتِ مبارکہ کی تقلید کرنا تھی۔

اس لیے حضور پیغمبرِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مقام کے مطابق اپنی عزت و تکریم کروانے کے بجائے تواضع اور انکسار کی راہ اختیار کی تاکہ ایمان لانے والوں کے لیے نمونہ ہو، اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ قائم ہو سکے جس میں کسی ایک حیثیت یا زیادہ حیثیتوں میں، دوسرے مسلمانوں سے بڑے اور بہتر لوگ عامتہ المسلمین سے مل جل کر رہیں۔ اپنے آپ کو ان سے الگ تھلگ نہ کرلیں۔ ان غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کو احساسِ کمتری نہ گھیر لے ۔۔۔ کیونکہ جب قوموں یا طبقوں اور گروہوں یا افراد میں احساسِ کمتری مضبوط ہو جائے تو جھگڑے بڑھتے ہیں، مخاصمتیں ابھرتی ہیں، مخالفتیں رنگ لاتی ہیں۔ دشمنیاں ماحول کے پُرسکون تالاب میں ایسی لہریں پیدا کر دیتی ہیں جن کے نتیجے میں طمانینت عنقا ہو جاتی ہے۔

حضور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خالق و مالک حقیقی جلّ و عُلا کے محبوب ہوتے ہوئے بھی، تمام کائناتوں کے لیے قائم نظامِ رحمت کا مرکز ہونے کے باوجود اور تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ حیثیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ، حد درجہ متواضع، سادہ مزاج اور منکسر الطبیعت تھے۔ مجلس میں آپؐ کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے، مقابل خواہ عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا۔ غلاموں، مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر سادہ کھانا کھانا پسند فرماتے تھے۔ غریب سے غریب آدمی کی عیادت اور تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ سواری پر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سوار کر لیتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ امتیازی حیثیت ظاہر نہ ہو۔ بازار سے سودا سلف خود خرید لاتے تھے۔ جانوروں کو خود چارہ ڈالتے۔ گھر کے کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں خوشی محسوس فرماتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے کپڑوں اور

جوتوں میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے اور دودھ دوہ دیتے تھے۔

مدینۂ کریمہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے بیوہ اور ضعیف عورتیں، مصیبت زدہ لوگ، لونڈی غلام اور چھوٹے لڑکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ آپؐ وہیں کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے رہتے۔ دُکھیا عورتیں اپنا دکھ سکھ بیان کرتیں تو آپؐ ان کو تسلی دیتے، ان کو بازار سے سودا لا دیتے۔

انسان کو تو تواضع اور انکسار اس لیے اختیار کرنا چاہیے کہ وہ جن خوبیوں پر فخر کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے، ان کی مستقل حیثیت کوئی نہیں۔ آدمی دولت پر فخر کر سکتا ہے لیکن چوری یا ڈاکے یا کاروبار میں گھاٹے کے نتیجے میں یہ فخر مٹی میں مل سکتا ہے۔ آدمی حُسن پر فخر کر سکتا ہے لیکن کسی بیماری کا حملہ اس کے حسن کو بدصورتی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ آدمی خوش بختی پر فخر کر سکتا ہے مگر قسمت کا ایک پھیر اسے خوش قسمت ترین سے بدقسمت ترین انسان میں بدل سکتا ہے۔ انسان اپنے علم پر فخر کر سکتا ہے لیکن حواس کی خرابی اس کے سارے علم کو ختم کر سکتی ہے۔ آدمی حَسَب نَسَب پر فخر کر سکتا ہے مگر جن اوصاف و خصوصیات کی وجہ سے اس کے آباؤ اجداد مشہور ہوئے، وہ اگر ان سے مختلف عادات کو اپنا لیتا ہے تو اس کا حسب نسب اس کے لیے طعن بھی بن سکتا ہے کہ اتنے اچھے خاندان کا، اتنے نیک آباؤ اجداد کا یہ پُوت کتنی بری خصلتوں کا شکار ہو گیا ہے۔ یوں، یہ سارے اسباب فخر اور اوصاف افتخار عارضی ہیں، بے ثبات ہیں۔ اس لیے انسان کو یہ راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ عاجزی اور فروتنی کی عادت ہی اچھی ہے۔

عام انسان کے مقابلے میں میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے

اسباب فخرِ دنیوی نہیں ہیں۔ ان کے اوصافِ حمیدہ عارضی اور بے ثبات نہیں
ہیں۔ ان کی کسی صفت کو زوال نہیں، اس لیے عام انسان کی اور سرکار علیہ
الصلوٰۃ والسلام سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ پھر بھی میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم نے تواضع اور انکسار کی راہ اپنائی تو صرف اس لیے کہ کوئی بدبخت
میری مستقل خصوصیات کو دیکھ کر اپنی عارضی خصوصیات پر فخر نہ کرنا شروع کر
دے اور تواضع اور انکسار کی راہ سے ہٹ کر خود بھی نقصان نہ اٹھالے اور
معاشرے کو بھی اسباب زیاں نہ مہیا کردے۔

شمائلِ ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور
رسول خدا علیہ التحیہ والثنا مریضوں کی عیادت فرمایا کرتے تھے اور جنازوں میں
شرکت فرماتے تھے اور گدھے کی سواری کرلیتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول
فرما لیتے تھے۔ بنو قریظہ کے واقعے کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک
گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی تھی اور اس پر پالان
بھی کھجور کی چھال ہی کی تھی۔ سنن ابنِ ماجہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو ایک بکری تحفہ بھیجی گئی۔ آپؐ گھٹنوں کے بل بیٹھے کھا رہے تھے کہ
ایک بدو بولا، یہ کیسا بیٹھنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، اللہ نے
مجھے خلیق بندہ بنایا ہے، مغرور اور جان بوجھ کر حق کو نہ ماننے والا نہیں بنایا۔

سنن ابی ماجہ ہی میں ہے۔ حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور
رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ آپؐ نے
اس سے باتیں کیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس قدر مرعوب ہوا
کہ ڈر کے مارے اس کی چھاتی اور کندھوں کے درمیان کے حصے کپکپانے لگے۔
سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا، اطمینان رکھ۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔
میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

ایک مرتبہ حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ مسجدِ نبویؐ میں
تشریف لے گئے۔ دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کی ہوئی تھی۔ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک کنکر لے کر خود اپنے دستِ مبارک سے اس کو
کھرچ ڈالا اور پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ مسجد خدا کا گھر ہے، اس میں غلاظت
پھینکنے سے بچو۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں تھے کہ جوتے کا تسمہ
ٹوٹ گیا۔ آپ اسے درست کرنے لگے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ
صلی اللہ علیک وسلم! لائیے، میں ٹانک دوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا، مجھے تشخص پسندی مرغوب نہیں۔ اور تسمہ آپؐ نے خود ہی ٹانکا۔

ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دکان سے کپڑا
خریدا۔ اٹھنے لگے تو دکاندار نے ازراہِ عقیدت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ
مبارک چومنا چاہا۔ آپؐ نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا "یہ اہلِ عجم کا دستور
ہے"۔

ایک دن کسی شخص کے ساتھ جنگ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زمین کھود کر دو مسواکیں نکالیں۔ ایک
سیدھی اور دوسری ٹیڑھی۔ حضور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے
ٹیڑھی مسواک خود لی اور سیدھی اپنے ہمراہی کو عطا فرمائی۔ اس نے عرض کیا،
اچھی مسواک آپ لے لیں، مجھے دوسری عطا فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں۔
اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھی کسی کے ساتھ رہے تو قیامت کے دن پوچھا جائے
گا کہ حقِ صحبت بجا لایا یا نہیں۔

فتحِ مکہ کے موقع پر چشمِ فلک نے دیکھا کہ دنیا کے یہ عظیم ترین فاتح
جب مکہ میں داخل ہوئے تو زبان پر اللہ کریم جلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا اور شکر کے

کلمات تھے اور آپؐ کا سر انکسار کے زیرِ اثر اونٹ کی پالان پر اتنا جھکا ہوا تھا کہ قریب تھا، سر لکڑی کے اگلے حصے پر ٹک جائے۔

اللہ تعالیٰ سے وصل کے لمحات میں پلک نہ جھپکنے والی ہستی، اور اللہ کریم سے سب کچھ منوا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تواضع اور انکسار کے یہ مظاہر دیکھنے یا پڑھنے کے بعد جو لوگ اپنے جیسے انسانوں کے مقابلے میں افتخار و استکبار کی عادتوں کو اپناتے ہیں، اپنے آپ کو دوسروں سے افضل قرار دینے یا دلوانے میں مصروف نظر آتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کس سنتِ مبارکہ پر عمل کر رہے ہیں۔ کیا یہ طریقہ واقعی ہماری نجات کا باعث بن سکتا ہے کہ ہم کسی ایک سنتِ مبارکہ کو اپنا کر باقی تمام یا بیشتر سنتوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں۔ اللہ کریم ہمیں تکبر کی صفت سے متصف نہ کرے۔ عاجزی، فروتنی، انکسار اور تواضع اختیار کرنے پر مائل فرمائے۔

نرم مزاجی

سُنَنِ ابو داوٗد میں ہے۔ حضرت اَنسؓ بن مالک (جنھیں ان کی والدہ حضرت اُمِّ سُلَیمؓ دس گیارہ برس کی عمر میں، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مدینۂ طیبہّ تشریف لاتے ہی آپؐ کی بارگاہ میں لائیں اور آپؐ کی خدمت میں دے دیا) روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال حضور محبوبِ خالق و مطلوبِ خلائق صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں رہا۔ میں نوعمر لڑکا تھا، اس لیے میرا ہر کام سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تھا (یعنی نوعمری کی وجہ سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے

مجھے اُف کہہ کے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا کیوں نہیں کیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بشری حیثیت اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں کہ ہمیں ان خوبیوں کی راہ پر چلنا چاہیئے جو میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے کردار کے ذریعے ہمیں دکھائی ہیں۔ کوئی انسان اس حد تک تو نہیں پہنچ سکتا کہ دس سال تک اپنے کسی خدمت گار بچے کو نہ ڈانٹے۔ نہ یہ پوچھے کہ یہ کیوں کیا، نہ یہ کہے کہ یہ کیوں نہ کیا۔ لیکن اس راہ پر قدم اٹھانا تو ہمارے لیے ضروری ہے کیونکہ ہم تو اپنے خدمت گاروں کو بلاوجہ ڈانٹتے رہتے ہیں، بعض لوگ انھیں جسمانی ایذا دینے سے بھی باز نہیں رہتے۔

اسے میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی طبیعت کا انکسار کہئے، اسے تواضع گردانیئے، اسے بُردباری پر محمول کیجئے، اسے نرم مزاجی کہہ لیجئے۔۔۔ یہ جو کچھ بھی ہے، ہمارے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ بلاشُبہ یہ بہت بڑی اور مشکل بات ہے لیکن ہم اُمّتیوں کو نمونے کے لیے اسی آفتابِ ہدایت کی طرف دیکھنا ہے اور اللہ کریم سے دعا کرنا ہے کہ اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس نرم مزاجی اور بُردباری کا کوئی حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔

صداقت

صداقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ایسی صفت ہے جس کا تعلق آپ کے اسمِ گرامی کے ساتھ، آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ساتھ، آپ کی تمام عاداتِ کریمہ کے ساتھ لازم و ملزوم کا سا ہے۔ حضور حبیبِ ربِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیاتِ طیّبہ کا ایک ایک لمحہ آپؐ کی صداقت پر دالّ ہے۔

آپ نے اپنی مبارک زندگی کے چالیس سال جب قریشِ مکہ کے سامنے رکھے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جو سب سے مسلم صفت سب کی زبان پر آئی' وہ آپؐ کی سچائی اور صداقت کی تھی۔ سب نے بیک زبان کہا کہ آپؐ نے تو کبھی سچ کے علاوہ کچھ کہا ہی نہیں' آپ کی زبانِ پاک سے تو صرف سچ ہی نکلا ہے' اس لیے آج بھی آپؐ جو کچھ فرمائیں گے' ہمیں یقین ہے کہ سچ کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

پھر میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریشِ مکہ سے جو کچھ کہا' وہ نہیں مانے۔ انھوں نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رسالت و نبوت کا اقرار نہیں کیا' بتوں کو پوجنا نہیں چھوڑا' اپنے آبا کے غلط طریق پر گامزن رہے لیکن کسی دشمن نے کسی موقع پر بھی' کسی سطح کی دشمنی کی حالت میں بھی' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر جھوٹ کا جھوٹا الزام بھی نہیں لگایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پورے معاشرے کا صادق اور امین کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کا بچپن' آپؐ کا لڑکپن' آپؐ کا شباب اور شباب کے بعد کی زندگی میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ آپؐ کے بارے میں کسی کو سچ کے علاوہ کسی بات کا شائبہ بھی ہوا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو یہ کسی کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی کہ آپؐ نے راتوں رات مسجدِ اقصیٰ تک کا اور پھر آسمانوں کا سفر کیا ہو اور کوئی وقت صرف کیے بغیر واپس بھی تشریف لے آئے ہوں۔ اسی لیے یار لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یہ دعویٰ کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ پوچھ کر کہ واقعی

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعویٰ فرمایا ہے' اس کی تصدیق فرما دی اور صدیق کہلائے۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آنے کے باوجود کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہہ سکیں۔ کیونکہ بات اگرچہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی' لیکن یہ بات ان کے تجربے اور مشاہدے کی تھی کہ یہ ہستی کبھی کسی حالت میں' کسی سطح پر بھی جھوٹ نہیں بولتی۔ اس لیے ان کا دل ان کی زبانوں کو اس سلسلے میں بگٹٹ نہیں ہونے دیتا ہو گا۔ اور' پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راہ کی علامات بتا دیں' مسجدِ اقصیٰ کے ستون' دروازے اور دیگر ضروری معلومات فراہم فرما دیں' راہ میں آنے والے قافلوں کی اطلاع دے دی۔ یہ بھی بتا دیا کہ کس قافلے والوں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے راستے میں کیا بات کی تھی اور کون سا قافلہ کب مکہ مکرمہ پہنچے گا۔ پھر' وہ قافلے پہنچے تو ان تمام باتوں کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس پر بھی کج فہمی نے اگرچہ ان لوگوں کے سروں پر سایہ کیے رکھا لیکن ہر دل حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صداقت کی گواہی دینے لگا اور ہر زبان کسی قسم کی غلط بات کہنے سے رکی رہی۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم عام طور پر فخر کے کلمات ارشاد نہیں فرماتے تھے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب

اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِب

(میں نبی ہوں اور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں حضرت عبدالمطلبؓ کا فرزند ہوں) ایسی تحدّی ہے جس کے جواب میں دشمنی اور جھوٹ ہی کے زور پر سہی' کوئی زبان کبھی یہ نہ کہہ سکی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کبھی کسی موقع پر سچ سے اجتناب برتا ہو۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر آپؐ کی زندگی کے کچھ لمحات نہیں، زندگی کا ہر ہر لمحہ شاہدِ عادل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی صرف صداقت ہی کی زندگی ہے۔

امانت

پورا عرب، جہاں جہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت گئی، یہ شہرت صادق اور امین کی شہرت تھی۔ ہر آدمی میرے آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا بھی جانتا تھا اور امانت دار بھی سمجھتا تھا۔

تعمیرِ کعبہ کے سلسلے میں تنصیبِ حجرِ اسود پر جھگڑا اٹھا تو اس جھگڑے میں ثالث کی ضرورت پیش آئی۔ عین اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہاں جا پہنچنا اور ان سب قبائل کے سرداروں کا بیک زبان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے ہی پکار اٹھنا کہ "امین آگئے، امین آگئے" اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ ہر کس و ناکس کو آپؐ کی اس خصوصیت کا پوری طرح علم تھا اور سب لوگ جانتے تھے کہ اس صفت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو متصف کرنا ممکن نہیں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صادق اور امین مشہور ہونے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت میں نام کمایا ہو، اس میں سچائی، راست بازی اور امانت و دیانت کے جھنڈے یوں گاڑے ہوں کہ پورے معاشرے میں ان جیسا کوئی دوسرا دکھائی نہ دیتا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ لوگوں کی مدد فرماتے ہوں گے، لوگوں کے کام آتے ہوں گے، غریبوں، مسافروں، مسکینوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہوں گے لیکن کافروں کی لہو و لعب کی مجلسوں میں، بت پرستی کی "مذہبی" تقریبات میں،

اس لڑائی جھگڑے میں جو عرب قبائل اور ان قبائل کے نامور اور غیر معروف، سب افراد کا تخصص تھا، شریک نہیں ہوتے تھے۔ جو ہستی ایک معاشرے کے "مقدس" کاموں میں حصہ نہ لے، مشہور تقریبات میں شامل نہ ہو۔۔۔ اگر وہ تجارت میں بھی نام نہ کمائے تو لوگ اس کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتے ہیں، لوگ اسے کیسے اچھا سمجھ سکتے ہیں۔ لوگ اسے اچھے القابات و خطابات سے کیوں یاد کریں گے۔

یہ درست ہے کہ جب حضور رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والثنا تجارت کے لیے جاتے ہوں گے، لوگ اپنا مال، اپنا پیسہ آپؐ کی تحویل میں دے کر مطمئن ہو جاتے ہوں گے کہ یہاں نہ پیسہ ضائع ہو گا، نہ سامان تجارت کی خرید و فروخت کے نتیجے میں منافع کم ہو گا۔ لیکن محض تجارت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموری کی وجہ سے آپؐ کا لقب "امین" نہیں پڑا ہو گا اور امانتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رکھوانے کی بات سے بھی صورت حال پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔

اس زمانے میں بینک وغیرہ تو تھے نہیں۔ مکہ والے تجارت پیشہ تھے اور یہ تجارت سال بھر ہوتی بھی نہیں تھی۔ مختلف موقعوں پر، مختلف شہروں میں جو تجارتی منڈیاں لگتی تھیں، ان میں تجارت کی جاتی تھی اور سال میں دو مرتبہ بیرون ملک تجارتی سفر ہوتے تھے، کبھی کبھی سال میں دو سے زیادہ بار بھی ایسا ہوتا ہو گا لیکن جب تاجروں کا پیسہ کاروبار میں نہیں لگا ہوتا تھا، ان دنوں اس کی حفاظت بہت بڑا مسئلہ تھا اور اس مسئلے کا واحد حل یہ تھا کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے پوتے، حضرت عبداللہ کے فرزندِ دلبند، حضرت ابوطالبؓ کے بھتیجے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیانت و امانت کی شہرت کی وجہ سے سب لوگ اپنا روپیہ، زیور اور قیمتی اشیاء تجارت آپؐ کے پاس امانتاً"

رکھوا دیتے ہوں گے۔

اس سلسلے میں اہلِ مکہ کا، اور ہو سکتا ہے کہ مکہ کے باہر کے تاجروں کا بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ایمان اتنا پختہ تھا کہ جان کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اپنی امانتیں واپس نہیں لیتے تھے۔ کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس دشمنی کا یہ نتیجہ بھی نکلا ہو کہ انھوں نے امانتیں واپس لے لی ہوں۔ وہ تو ہجرت کے بعد حضرت علیؓ نے واپس کی تھیں۔

کوئی مجھے بتائے کہ معلوم دنیا میں ابتدا سے آج تک کبھی کسی سرمایہ دار نے، تجارت پیشہ فرد نے، ثروت مند آدمی نے اپنی رقم، اپنی قیمتی اشیا کسی ایسے شخص کے پاس امانت کے طور پر رکھوائی ہیں جو غریب ہو، مفلوک الحالی اور عُسرت کا شکار ہو۔ غریب آدمی کی عزت کی جا سکتی ہے، اسے لڑائی جھگڑوں میں ثالث یا حکم بھی بنایا جا سکتا ہے، اس کی شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ اس کے علم و دانش کی وجہ سے اسے صدارت یا امارت کی کسی کُرسی پر بٹھا دیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنی امانتیں اس کے سپرد کر دیں۔ ہر آدمی سوچتا ہے کہ اگر یہ رقم یا یہ قیمتی اشیا غریب آدمی کے ہاں سے چوری ہی ہو گئیں تو ہم کلیم کہاں داخل کریں گے، عُسرت زدہ شخص کہاں سے یہ ادائی کرے گا۔

قیمتی چیزیں، اور مال و دولت حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سپرد کرنے کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشرے میں اتنی عزت و تکریم تھی کہ آپؐ کے ہاں چوری کا خطرہ نہ تھا اور اگر چوری ہو بھی جائے تو آپؐ کی مالی پوزیشن اتنی مضبوط تھی کہ آپؐ یہ خسارا اپنے پاس سے پورا کر سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے "امین" مشہور ہونے ہی

سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی غریبی، عسرت اور مفلوک الحالی کی جو کہانیاں سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں اور آپؐ اس وقت کے معاشرے کے امیر ترین آدمیوں میں سے تھے۔ کئی کئی دن چُولھا نہ جلنا، بھوکا رہنا وغیرہ خود اختیاری فقر کا نتیجہ تھے (شہناز کوثر کی کتاب "حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی" میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے)

احادیثِ مبارکہ میں امانت داری کی سخت تاکید کی گئی ہے اور امانت میں خیانت کرنے پر سخت وعید دی گئی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبّہ کی یہ خوبی تو آپؐ کے بچپن سے لے کر آج تک ہر جگہ مُسلّم ہے کہ آپ مثالی امین تھے۔

امانت کی صفت دو معنی رکھتی ہے۔ ایک تو یہی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس ہوتی تھیں اور وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون رہتی تھیں۔ امانت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ کریم نے انسان کو جو تمام قویٰ عطا فرمائے ہیں، عقل دی ہے، دل عطا کیا ہے، حواس مرحمت فرمائے ہیں، تمام روحانی اور جسمانی قوتیں عنایت فرمائی ہیں، انسان کی جان اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انسان کی زندگی کے تمام لوازم اس کی طرف سے امانت کی حیثیت رکھتے ہیں اور آخر کار یہ سب امانتیں اللہ تعالیٰ واپس لے لیتا ہے۔ پھر انسان کے لیے کیا یہ لازم نہیں کہ وہ ان تمام امانتوں کو اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق گزارے ---- اور، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی کی ذات مقدس ہے جس نے ہمیں یہ نکتہ سمجھایا ہے۔ اس لیے زندگی اور اس کے تمام لوازم کو اللہ کے دیے گئے حکم اور فرمان کے مطابق گزارنے کی اعلیٰ ترین واحد مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی اس سنت پر
بھی عمل پیرا ہوں کہ لوگوں کی دنیوی امانتیں بھی سنبھال سنبھال کر اپنی ذمہ
داری پر رکھیں اور اسی طرح انھیں واپس کریں۔ ان میں قیمتی اشیا بھی ہیں،
ان میں لوگوں کے راز بھی ہیں، یہ بھی تو مومن کے لیے امانت کی حیثیت رکھتے
ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ امانت میں خیانت کرتے دکھائی دیں،
ان کے خلاف جس حد تک ممکن ہو، آواز بھی اٹھائیں ---- اور، اس کے
ساتھ ساتھ اس امانت کا بھی خیال کریں جو اللہ کریم نے ہمیں زندگی کی صورت
میں عطا فرمائی ہے اور آخر اس نے یہ ہم سے واپس بھی لے لینا ہے۔ ہم زندگی
کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی واضح ہدایات کی روشنی میں بسر کریں تاکہ
اس امانت میں بھی خیانت کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

سخاوت

مسلم شریف میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں، کبھی
ایسا نہیں ہوا کہ حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم سے کسی نے کوئی
چیز مانگی ہو، سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں "نہیں" فرمایا ہو۔

اس سلسلے میں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی عادتِ کریمہ
تھی کہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، سوال کرنے والے کو عطا فرما دیتے تھے۔ نہ
ہوتا تو کسی سے قرض لے کر دے دیتے، ورنہ وعدہ فرما لیتے۔ حضور پیغمبرِ اسلام
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ انھیں بھی عطا
فرماتے جو آپؐ کو آپ کے حق سے محروم رکھنا چاہتے۔ فرماتے کہ اگر میرے
پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو میں تین دن میں اسے مستحق لوگوں میں
بانٹ کر ختم کر دیتا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

سے ایک چیز کا سوال کیا جاتا، آپؐ کو اس چیز کی زیادہ ضرورت ہوتی مگر آپؐ
سوال کرنے والے کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے اور وہ چیز اسے عطا فرما دیتے۔ ایک
بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک ہی چادر تھی جو آپؐ نے اوڑھ رکھی
تھی۔ ایک صحابی نے دیکھا تو کہنے لگا، یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیکَ و سلم! یہ چادر
کتنی خوبصورت ہے، آپؐ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپؐ نے اسی وقت وہ چادر
اتار کر اس صحابی کو دے دی حالانکہ وہ خود آپؐ کی ضرورت تھی۔

مسلم شریف میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان
کرتے ہیں کہ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مال عطا کرنے میں سب
لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان کے مہینے میں آپؐ کی سخاوت زیادہ ہوتی
تھی۔ جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان کے مہینے میں اس کے گزر جانے تک
آپؐ سے ملتے رہتے تھے۔ جب جبرئیلؑ حضور رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا سے
ملاقات کرتے تو آپؐ اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے جو بھیجی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ نوّے ہزار درہم آئے تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے
یہ ایک بوریے پر ڈلوا دئے اور وہیں تقسیم فرما دئے۔ بعد میں ایک سائل آ گیا تو
فرمایا، تو کسی سے میرے نام پر قرض لے لے۔ جب میرے پاس ہو گا، ادا کر
دوں گا۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم غنیمت، زکوٰۃ، خراج
وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ بھی تقسیم فرما دیا کرتے اور اپنے پاس اس میں سے
کچھ نہیں رکھتے تھے کہ یہ تو مال ہی مستحقین کا ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ختم
ہونے کے بعد کوئی آتا تو اسے اپنے نام پر قرض لینے کی اجازت مرحمت
فرماتے۔

جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی اپنی تجارت کی کمائی سے

سخاوت کا تعلق ہے، حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا کی حیاتِ طیبہ میں ایسے واقعات کی تعداد ان گنت ہے جن میں حضور سیدِ آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے در پر آنے والوں کو نواز دیا، کسی کو خالی نہیں لوٹایا، بلکہ سوال کرنے والے کو آیندہ کے لیے اس قابل نہیں چھوڑا کہ سائل رہے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کی درخواست کی۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اسے کچھ عطا فرمایا مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے مزید عطا فرمایا تو وہ خوش ہو گیا۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں، حضور محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت نوفل کو دو مکان مرحمت فرمائے۔ ایک رجہ القضا میں جو مسجدِ نبویؐ سے متصل تھا، اور دوسرا بازار میں، ثنیہ الوداع کے راستے پر۔

سنن نسائی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سو غلاموں کے بدلے سو درختوں کا ایک باغ خریدا تھا اور سو درخت انھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عطا فرمائے تھے۔ "الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں ہے کہ ایک اعرابی کی اونٹنی کو احباب کے کہنے پر حضرت نعیمانؓ نے ذبح کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اعرابی کو اپنی طرف سے بدلہ عطا فرما کر راضی فرمایا اور ذبح کی ہوئی اونٹنی صحابۂ کرامؓ کو کھلا دی۔

مسلم شریف، کتابُ الفضائل میں ہے، ایک بار ایک شخص نے حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے بہت سی بکریاں مانگیں۔ آپؐ نے اس کا سوال پورا کیا۔ اس پر اس فیّاضی کا یہ اثر ہوا کہ اپنے قبیلے میں جا کر کہنے لگا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، حضور سرتاج الانبیا علیہ التحیہ والثنا نے فرمایا، کوئی شخص قرض چھوڑ کر مرجائے اور اپنے پیچھے مال نہ چھوڑے تو اسے میں ادا کروں گا اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ہم سفر تھے۔ حضرت عبداللہ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ بار بار عبداللہؓ کو ڈانٹتے تھے اور عبداللہؓ اسے روکنے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ رکتا نہ تھا۔ اس پر صاحبِ لطفِ عمیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔ انھوں نے عرض کیا، آپ کی نذر ہے۔ فرمایا، نہیں، دام لو۔ انھوں نے پھر "ہدیتہً" پیش کرنے کی گزارش کی۔ بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلسل اصرار پر دام لینے منظور کیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیمت دے کر اونٹ خریدا، اور پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کو دے دیا اور فرمایا، یہ تمہارا ہے۔ اس کے بعد وہ اونٹ کبھی نہ بدکا۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سخاوت تو ایسی تھی کہ خود اپنے لیے کچھ باقی نہیں رہنے دیتے تھے اور سب کچھ مستحقین یا سائلین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عادتِ کریمہ کی صد فی صد اطاعت تو ہمارے لیے ممکن بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں لیکن ہمیں فیاضی اور سخاوت کی راہ پر چلنے میں دریا دلی کا مظاہرہ ضرور کرنا چاہیے۔ سخی اور فیاض شخص کو اس راہ پر کہاں تک چلنا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے لیے کیا پسند فرماتے ہیں، اس سلسلے میں شمائلِ ترمذی میں ہے۔ حضرت عمر

فاروقِ اعظمؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیہ والثنا کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ عطا فرمائیے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کوئی شے نہیں۔ تم میری طرف سے کسی سے قرض لے لو۔ جب میرے پاس کچھ آئے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے پاس جو کچھ تھا' وہ آپ تقسیم فرما چکے ہیں اور جو کچھ آپ کے پاس نہیں ہے' اللہ نے اس کا آپ کو مکلف نہیں بنایا۔ حضور سیدِ کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ اتنے میں ایک انصاری نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خرچ کرتے رہیں اور عرش والے سے کسی بات کا اندیشہ نہ کریں۔ اس پر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام مسکرا پڑے اور انصاری کی بات سن کر آپؐ کے چہرے پر خوشی نمایاں ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا' مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

یعنی ---- دنیا کا بڑے سے بڑا سخی' زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے' وہ خدا کی راہ میں دے دے لیکن سخاوت اور فیاضی کا یہ مقام صرف اور صرف حضور آقا و مولا علیہ التحیہ والثنا ہی کا ہو سکتا ہے کہ جو نہ ہو' وہ بھی عطا فرما دیں' یہ ارشاد فرما کر کہ میرے نام پر قرض لے لو۔

اس سلسلے میں بہت ضروری بات یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی "نہ" نہ فرمانے والے' خزائنِ ربی کے بانٹنے والے' سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے تھے لیکن سوال کو اچھا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ارشاد ہے کہ کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے بیچ کر پیٹ پالے کہ یہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس

کچھ ہے بھی؟ انھوں نے عرض کیا' ایک چادر ہے جسے آدھا بچھاتا ہوں' آدھا اوڑھتا ہوں اور پانی پینے کے لیے ایک پیالہ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درہم میں وہ دونوں چیزیں بکوا دیں اور انھیں فرمایا کہ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان گھر پہنچا دو اور ایک درہم کی رسی کلہاڑا خریدو' جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور انھیں بیچو۔ کچھ دنوں کے بعد وہ صحابی پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب میرے پاس دس درہم ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا تھا کہ قیامت کے دن اٹھتے تو گدائی کا داغ چہرے پر لگا ہوتا۔

دنیا میں جو لوگ سخی ہیں' سخاوت اور فیاضی میں نام پیدا کرتے ہیں' ان کی عام طور سے چار پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ تو دوسروں کے جذبہ سخاوت کو دیکھ کر' اس سے متاثر ہو کر اس راہ پر چل نکلتے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ اچھا کام ہے' اس سے معاشرے کے زیر دست لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور سخی شخص کی عزت بڑھتی ہے۔ عامتہ الناس اسے پسند کرتے ہیں'۔ -- اس لیے وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اس کام میں مگن ہو جاتے ہیں اور پھر واقعی خود بھی اس نیکی کے برگ و بار کو جان لیتے ہیں اور یوں اس کام کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کی راہ یہ راہ نہیں ہے۔ انھوں نے معاشرے میں کسی کو سخی پا کر' یا بہت سے لوگوں کو سخاوت کرتے دیکھ کر یہ راہ نہیں اپنائی۔ حضور رسول انام علیہ الصلوۃ والسلام سے پہلے اس انداز کا سخی نہ کسی نے دیکھا' نہ اس معاشرے میں اس صفت سے کوئی متصف ہوا۔

معاشرے میں فیاضی سے کام لینے والے بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں

جن کی آمدن صالح ذرائع کے بجائے غیر اخلاقی اور غیر قانونی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔ اس ناجائز آمدن کی وجہ سے وہ خرچ کے بھی ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں اور اخلاقی برائیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ ان کا ضمیر انھیں اندر سے تنگ کرتا رہتا ہے اور فرار کی آسان راہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ جو لاکھوں کروروں انھوں نے معاشرے کو پریشان کر کے، لوگوں کو تنگ کر کے، ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہے اور اسے شراب، جوا، اور دوسری غلط کاریوں میں صرف کرتے ہیں، اس کا کچھ حصہ اگر غریبوں، مسکینوں کو دے دیا جائے تو شاید ان کے سارے کرتوتوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

آج کل کے معاشرے میں چور بازاری، سمگلنگ، سٹہ، جوئے بازی، اجارہ داری، سود اور دیگر ناجائز اور حرام ذرائع سے کمانے والوں میں سے کچھ لوگ نیکی کے کاموں میں آگے آگے نظر آتے ہیں، غریبوں بیواؤں کی مدد کرتے ہیں، مسجدوں میں روپیہ لگاتے ہیں، نیکی کے حوالے سے ہونے والی تقریبوں میں داد و دہش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو دھوکا دینے اور عامۃ المسلمین کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کی کوششیں ہیں۔ اللہ کریم اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تو انسان کے اندر کا علم ہوتا ہے۔ انھیں تو چکر دیا نہیں جا سکتا۔

میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سخاوت کے ذکر میں، ظاہر ہے کہ اس قسم کی "سخاوت" کا ذکر بھی نامناسب ہے۔ یہ ذکر تو اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اس سے ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی سہولت رہے اور میرے آقا و مولا، کائنات کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک عادتِ کریمہ، کسی ایک سنتِ مبارکہ پر عمل کرنے پر زور دینے والے خود اپنے کردار کا مطالعہ کریں کہ ان کے سرپرست ثروت مند اور دولت مند لوگ کیا ہیں اور یہ

حضرات ان کی تعریف و ثنا میں جو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں کہ یہ بڑے مخیر ہیں، بہت نیک ہیں، عظیم دیالو ہیں، وغیرہ، اس سے ان تعریف کرنے والوں کے کردار کا کیا رخ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظروں میں متعین ہوتا ہے۔

سخاوت کرنے والوں کو کبھی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ وہ امیر ہیں اور معاشرے کے دوسرے لوگ بہت غریب اور مفلوک الحال ہیں۔ یہ عسرت زدہ لوگ اگر ان کے دستِ نگر ہوں تو ان دولت مندوں کے احساسِ تفاخر کو مہمیز ہوتی ہے۔ اس لیے بھی بعض لوگ سخاوت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پھر، سخاوت بالعموم وہی کرتے ہیں جن کے ہاں مال و زر وافر موجود ہو، وہ خود دنیا جہان کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں، جو کچھ چاہتے ہیں، اپنے لیے حاصل کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں ---- اور، اپنے بہت سے مال میں سے "کچھ" مستحقین کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ لیکن میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا سارا مال، اپنے پاس موجود سب کچھ، دوسروں میں بانٹ کر خود فاقے کرنا پسند فرماتے تھے، اپنے اہل و عیال کو بھی اسی خود اختیاری فقر کی لذتوں سے شناسا فرماتے تھے۔

شہناز کوثر لکھتی ہیں "حقیقت یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زندگی بھر تجارت کی اور اس سے اتنا کمایا، جو کوئی اچھا خوش حال اور ثروت مند تاجر کما سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آمدنی میں سے، کم سے کم مال اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا، سب کچھ حاجت مندوں، غریبوں میں تقسیم فرماتے رہے اور اپنے لیے فقر و فاقہ کو اختیار فرمایا۔ خدا کرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی ایک سنت کے مبلغین کو آپؐ کی یہ سنت بھی نظر آ جائے اور وہ روکھی سوکھی پر گزارا کرنے کی اہمیت سمجھیں"۔

سخاوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ لوگوں کی سخاوت کا دائرہ اکثر اندھے کی ریوڑیوں کی طرح محدود ہوتا ہے۔ یا تو اپنے عزیزوں' دوستوں تک سکڑا ہوتا ہے' یا ان لوگوں تک پھیلتا ہے جن سے کچھ مفادات وابستہ ہوں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور محبوبِ خالق و مطلوبِ خلائق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سخاوت کا دائرہ کہیں' اور کبھی' محدود نہیں۔ اس سے اپنے بھی مستفید ہوتے ہیں' پرائے بھی۔ اس سے واقف بھی متمتع ہوتے ہیں' ناواقف بھی۔ حتیٰ کہ حضور پرُنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مخالفین کو' دشمنوں کو' جان اور دین کے معاندین کو' دشمن کے قیدیوں کو---سب کو اپنے جودوسخا کی صفت کی بارش رحمت سے مستفیض کیا۔

ایک بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سخی' فیاض اور مخیر لوگوں کی یہ صفت مستقل نہیں ہوتی' وقتی' ہنگامی اور عارضی ہوتی ہے۔ کبھی ان کے پاس زیادہ رقم یا مال آ جاتا ہے تو ان کی حس سخاوت جوش میں آ جاتی ہے' کبھی کسی کے معاملے میں ان کا جذبہ ترحم غلبہ پالیتا ہے تو وہ سخی نظر آنے لگتے ہیں۔ کبھی ان کا موڈ اچھا ہوتا ہے تو وہ یہ کام کرتے ہیں لیکن دوسری صورتوں میں وہ فیاضی کم بھی کرنے لگتے ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی' کبھی وہ بخل کے نزدیک تک جا پہنچتے ہیں۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس مال ہی کم ہوتا ہے' یا منافع ہی توقع کے مطابق نہیں ملتا' یا کسی ایک سوال کرنے والے کے رویے سے ناراض ہو جاتے ہیں یا کوئی سوال کرنے والا جھوٹا اور فراڈی ثابت ہو جاتا ہے' تو ان کا جذبہ سخاوت مدھم پڑ جاتا ہے۔ لیکن میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سخاوت کسی ایک قوم کے لیے مختص نہیں' کسی ایک علاقے تک محدود نہیں' کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں۔ یہاں مانگنے والا اچھا ثابت ہوتا ہے یا برا' جھوٹا نکلتا ہے یا سچا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس مال کم ہے یا زیادہ' ہے

بھی یا نہیں ---- کسی چیز کا کچھ اثر نہیں۔ فیاضی مستقل ہے' سخاوت کا بحر ذخار ہر وقت جاری ہے اور صرف انسانوں پر نہیں' تمام عالمین کے لیے جاری ہے اور جب تک شمس و قمر اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں اور فضائیں برقرار ہیں اور زمین زلزلوں کی زد میں آ کر تباہ نہیں ہو جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت کا آفتابِ عالم تاب نصف النہار پر نظر آتا رہے گا۔ ہر شخص' ہر عالم' ہر ذرہ اس سے فیض یاب ہوتا رہے گا' اور اس میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔

حسنِ گفتار

حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خلقِ عظیم کے اظہار کا ایک بہت بڑا ذریعہ آپؐ کا حسنِ گفتار تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ نبیؐ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے جس طرح لوگ کرتے ہیں۔ آپ آہستہ آہستہ' ٹھہر ٹھہر کر اور بڑی خوبی کے ساتھ اس طرح بات ارشاد فرماتے کہ مخاطب پوری طرح سمجھ لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مبارک گفتگو میں اتنا ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی تھی کہ جو بھی سنتا' اسے یاد ہو جاتی۔ عام طور پر حضور سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک فقرے کو تین بار دہراتے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ زیادہ تر خاموش رہتے اور کبھی بغیر ضرورت کے' بات نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بھونڈے انداز سے بات کرتا تو اس سے درگزر فرماتے۔ کبھی کسی فضول اور غیر ضروری بات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو موتیوں کی لڑی کی طرح ہوتی۔ ہر ناخوشگوار اور بری بات سے روگردانی اور

درگزر فرماتے۔

حضور حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کا کلام اس قدر مختصر، جامع اور شیریں ہوتا کہ دلوں میں کھب جاتا تھا۔ دشمنوں نے اسی اثر کو سحر اور جادو کا نام دیا۔ گفتگوئے مبارک ایسی مرتب ہوتی کہ صحابۂ کرامؓ ایک ایک جملہ انگلیوں پر گن لیتے تھے۔ کیسا بھی آدمی آپؐ کو بلاتا تو آپ جواب میں "لبیک" فرماتے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر لوگوں کا شکریہ ادا فرماتے۔ کوئی تکلیف دہ بات زبان مبارک پر نہیں لاتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں آہستگی اور ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ حضرت جابر بن سمرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ تر خاموش رہنے کا زیادہ ذکر فرماتے ہیں۔

شمائل ترمذی کے باب **"کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"** میں اس سلسلے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں، یوں ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ابتدا سے انتہا تک آپ منہ بھر کر بولتے (یہ نہیں کہ آدھی بات اندر ہی رہ جائے)۔ آپ کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔ اہلِ مجلس کی گفتگو میں غیر متعلق موضوع نہ چھیڑتے بلکہ جو سلسلۂ کلام چل رہا ہوتا، اسی میں شریک ہو جاتے۔ اگر کسی موضوع سے صحابہؓ کو اکتایا ہوا محسوس کرتے تو اس کو بدل دیتے۔ گفتگو کے دوران میں ہر فرد مجلس پر توجہ فرماتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کر سکے کہ آپؐ نے اس پر کسی دوسرے کو فوقیت دی ہے۔ گفتگو کرنے والے کی جانب سے اس وقت تک منہ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ پھیر لیتا۔ کسی کی بات کو کبھی نہ

کاٹتے، الا یہ کہ کوئی بات خلاف حق ہو۔ کھڑے کھڑے کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے۔ گفتگو کے دوران صحابہؓ کے ساتھ ہنستے بھی اور دلچسپی کا اظہار بھی فرماتے۔ آپؐ نہ کسی کی برائی میں زبان کھولتے، نہ عیب چینی کرتے اور نہ کسی کے راز کو جاننے کی کوشش کرتے۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔ زبان پر کوئی گندی بات نہ لاتے، نہ چیخ کر بولتے۔ لایعنی باتوں سے دوسروں کو بھی روکتے۔ کلام سے پہلے سلام کا اہتمام فرماتے۔ آپؐ کی آواز میں حسبِ ضرورت اتار چڑھاؤ ہوتا۔ گفتگو میں کسی طرح کا کوئی تصنع اور تکلف نہ ہوتا بلکہ سادگی اور بے ساختگی ہوتی۔ گفتگو میں تبسم کی آمیزش رہتی تھی۔ گفتگو کے دوران کسی بات پر زور دینا ہوتا تو ٹیک سے اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھتے۔ خاص باتوں کو بار بار دہراتے۔ حاضرین کو کسی بات سے ڈراتے تو زمین پر ہاتھ مارتے، اپنی بات کی وضاحت کے لیے ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارے سے مدد لیتے۔ تعجب کے موقعوں پر ہتھیلی کو الٹ دیتے، کبھی سر ہلاتے اور ہونٹوں کو دانتوں سے دباتے، کبھی ران پر ہاتھ مارتے"۔

حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے۔ آپؐ کی گفتگو میں حلاوت اور نرمی کا عنصر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوتے مگر معانی و مفاہیم کی ایک دنیا موجود ہوتی اور ابلاغ فورا" ہو جاتا تھا۔ بناوٹ اور تکلف سے پاک کلام ہوتا جس سے حکمت کے جواہر نکلتے اور دلوں میں گھر کرتے جاتے تھے۔ مخاطب دشمن ہو یا جانثار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک گفتگو میں محبت، شفقت اور اثر آفرینی بھی ہوتی اور شائستگی اور وقار بھی۔ لب ہائے مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات دلکش انداز اور دلنشین پیرائے میں بیان ہوتی، تلخی کا تصور بھی نہ ہوتا، کسی کی دلآزاری کی گنجائش نہ ہوتی اور سچائی کے ساتھ کہے ہوئے

کلمات مخاطب پر گہرا اثر چھوڑتے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک سفر کے دوران میں' ان کے ایک سوال کے جواب میں بہت سی نصیحتیں فرمائیں اور جنت میں داخل ہونے اور دوزخ سے دور رہنے کے گر سمجھائے۔ لیکن آخر میں فرمایا کہ میں تمہیں اس سارے معاملے کا سب سے اہم جز نہ بتا دوں۔ یہ فرما کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زبان (مبارک) کو پکڑا اور فرمایا' اس کو روکے رکھ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہم ان باتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے جو ہم کرتے ہیں۔ حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اے معاذ! تیری ماں تجھے روئے۔ یہ لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہیں جو انھیں منہ یا ناک کے بل دوزخ میں ڈالیں گی"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور سیدِ انس و جاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' اسے اندر آنے دو' یہ اپنے قبیلے کا بہت برا شخص ہے۔ جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھا تو آپ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! پہلے تو آپؐ نے اس شخص کی برائی کا ذکر فرمایا لیکن ملاقات کے وقت اس سے خندہ پیشانی سے پیش آئے"۔ اس پر آقائے کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا "تم نے مجھے بدزبان کب پایا ہے۔ قیامت کے دن بد ترین انسان وہ ہو گا جس سے لوگ اس کی شرارت یا بدزبانی کی بنا پر کتراتے ہوں"۔

شمائلِ ترمذی میں ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم

دنیوی امور کے بارے میں گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اس میں حصہ لیتے۔ جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس موضوع پر تکلم فرماتے اور جب ہم کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضور رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس میں شامل رہتے۔

حافظ ابنِ حجرؒ (م ۸۵۲ ھ) نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ایسے صحابی تو نظر آتے ہیں (مثلاً حضرت ابنِ امِ مکتومؓ) جو نابینا تھے لیکن یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگوئے مبارک کا معجزہ ہے کہ کوئی صحابی بہرے نہ تھے۔ مطلب یہ کہ کسی طرح یہ بات ممکن ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گفتگو فرمائیں اور کوئی ایک صحابی بھی ایسا ہو جس تک سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز مبارک نہ پہنچتی ہو۔

میرے نزدیک شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بہرا آدمی جب بات کرتا ہے تو وہ بھی اونچی آواز سے کرتا ہے اور حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اونچی آواز سے بولنا اعمال حبط کروانے پر منتج ہو سکتا ہے۔ اس لیے بھی اللہ کریم نے کسی صحابی کو بہرا نہیں کیا۔ صحابیؓ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گفتگوئے مبارک کو پوری طرح سنتے اور حرزِ جاں بناتے تھے۔

حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فصیح اللسان تھے۔ چند کلمات میں معانی کے سمندر سمیٹ دیتے تھے۔ کتبِ احادیث میں ایسے اقوالِ مبارک جو جوامع الکلم کہا جاتا ہے اور حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے امتیازات میں سے ہیں۔ مثلاً

○ ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

○ ۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے بنیاد کی اینٹیں کہ ایک

سے دوسرے کو قوت ملتی ہے۔

- ○ جو کوئی دوسرے پر رحم نہیں کرتا' اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔
- ○ محفلوں کی باتیں امانت ہیں۔
- ○ گویائی مصائب کو جنم دیتی ہے۔
- ○ قناعت وہ خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔
- ○ علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔
- ○ آدمی کی خوبصورتی اس کی شیریں زبانی میں ہے۔
- ○ زبان روکنے جیسے کوئی پارسائی نہیں۔
- ○ انکساری بلندی درجات کا باعث ہوتی ہے۔
- ○ کسی چیز کا جمع کرنا علم کے جمع کرنے سے بہتر نہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم افصح الناس تھے۔ دنیا میں آپ سے زیادہ فصیح اللسان کون ہو سکتا ہے۔ لیکن سرکار علیہ الصلوۃ والسلام لمبی لمبی باتیں اور طویل گفتگو پسند نہیں فرماتے تھے' خطبوں میں بھی نہیں۔ آپؐ نے مسجد میں جو خطبے ارشاد فرمائے یا غزوات میں جو خطبے ارشاد فرمائے' وہ سب اختصار اور جامعیت کا شاہکار ہیں۔ آپؐ کے خطبے مختصر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ خطبہ حجۃ الوداع بھی کوئی تقریر نہیں ہے۔ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام صحابۂ کرام کے مختلف اجتماعات میں' یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک ہی بڑے اجتماع میں مختلف مقامات پر محض چند فقرے ارشاد فرمائے۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ کا لمحہ لمحہ محفوظ ہونے اور سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زندگی کے مختلف موقعوں پر' سفر و حضر میں' رزم و بزم میں' ارشاد فرمائے گئے کلماتِ طیبات محفوظ ہونے کا دعویٰ کرنے والے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا گیا خطبہ کیوں محفوظ نہیں کر سکے۔ جب کہ اس موقع پر ایک لاکھ

صحابۂ کرامؓ موجود تھے۔

یہ اعتراض یوں بلا جواز ہے کہ حضور فخرِ موجودات علیہ والسلام الصلوۃ نے اس موقع پر کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیثِ مبارکہ میں جس جس صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جو جو ارشاد مبارک سنا' بیان کر دیا۔ کوئی ایک فقرہ کسی ایک یا چند صحابہ نے بیان کیا ہے تو دوسرے چند جملے دوسرے صحابۂ کرامؓ نے روایت کیے ہیں کہ جس جس نے جو جو کچھ سنا' بیان کر دیا۔ اور' یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تقریر نہیں فرمائی تھی' مختلف لوگوں کے سامنے مختلف نکات بیان فرمائے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسنِ گفتار کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسلوبِ بیان' آپؐ کے کلام اور آپ کی گفتگوئے مبارک کی تقلید میں ہم بھی سختی کے بجائے نرمی کو شعار کریں تو اچھا ہے۔ ہم بھی صرف کام کی باتیں' لیکن ہر محفل میں جس موضوع پر بات ہو رہی ہو اسی قسم کی باتیں' کریں۔ جو لوگ پارسائی کے خول میں بند ہو کر عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ صرف نیکی کی باتیں کرتے یا سنتے ہیں اور دنیا داری کی' کھانے پینے کی' معاشرت کے دیگر معاملات کی باتیں سننا یا کرنا اپنے مقام سے کمتر سمجھتے ہیں' ---- وہ جہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عادتِ کریمہ سے مختلف بات کرتے ہیں' جہاں وہ غیر فطری بات کر رہے ہوتے ہیں' وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے بیشتر لوگ جب اپنے جیسے "پارساؤں" کی محفل خاص میں ہوتے ہیں تو ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ ایک اہم سنتِ مبارکہ ہے کہ آپ تقریر نہیں فرماتے تھے' لمبی گفتگو نہیں فرماتے تھے' لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھتے

تھے' بات کو لچھے دار بنا کر پیش نہیں کرتے تھے۔ اس اہم سنتِ پاک کو سامنے رکھیں تو لمبی لمبی تقریریں کرنے والے حضرات اس کی سخت خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو سنتوں کا محافظ گردانتے ہیں۔

لوگوں کے کام میں ان کی مدد کرنا

حسنِ گفتار' حسن خلق کا ایک پہلو ہے' لیکن یہی سب کچھ نہیں۔ اخلاقِ عالیہ کے اور بہت سے پہلو ہیں اور میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلق کو تو اللہ کریم نے عظیم فرمایا ہے' ان سے بڑھ کر خلیق تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں تو خلق کے جس پہلو سے بھی دیکھیں' سوچیں' غور کریں' سیرتِ طیبہ کو پرکھیں' ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ سُبحان اللہ۔

مقام اور مرتبے میں سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑا کون ہو سکتا ہے۔ آپ امام الانبیا ہیں' آپ سید الانبیا ہیں' آپ خاتم المرسلین ہیں' آپ محبوبِ رب العالمین ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آپ کے جاہ و مرتبہ کا کیا کہنا۔ آپ کی عظمت مسلّم ہے۔ اللہ کریم جل شانہ العظیم نے قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر آپ کے مقام کی رفعت کا ذکر کیا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے مرتبے کو پہچانتے تھے۔ مخلوقاتِ خداوندی میں کوئی آپ کے رتبے کا ادراک تک نہیں کر سکتا کہ بقول غالب' آپ کا مرتبہ دان صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اپنی اس حیثیت میں جب حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی انسان کو کسی مصیبت میں' پریشانی میں' دکھ میں مبتلا دیکھتے' کسی مجبور و بے بس کی لاچاری کو محسوس فرماتے' کسی ضرورت مند کی حاجت کا اندازہ لگاتے'

کسی مظلوم کی حالت ملاحظہ فرماتے تو اپنے جاہ و مرتبہ کا خیال کیے بغیر' اس کی مدد فرماتے' اس کی حاجت پوری فرماتے' اس پر کیے جانے والے ظلم کا تدارک فرماتے' اس کی مصیبت اور پریشانی کو دور کرنے میں ساعی ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شانِ رحمت حیوانات تک پر سایہ فگن رہتی تھی لیکن یہاں صرف انسانوں کا ذکر مطلوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انسانوں کی مدد کرنے میں غریب' امیر' بڑا' چھوٹا' کمزور' طاقتور' بوڑھا' جوان' بے کس' یا کس بل والا' مسلم یا غیر مسلم نہیں دیکھتے تھے۔ جو بھی پریشانی کا شکار ہوا' حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کی مدد پر' حمایت پر کمربستہ دکھائی دیتے۔ شفقت اور مہربانی کا یہ سلوک سب پر یکساں ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک عورت مکہ مکرمہ کی گلی میں بوجھ اٹھائے نظر آئی۔ بوجھ اتنا تھا کہ بمشکل قدم اٹھا سکتی تھی' پاؤں ڈگمگا رہے تھے' پسینہ بہہ رہا تھا۔ دیکھنے والے مذاق اڑا رہے تھے کہ میرے آقا و مولا' کائنات کے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا وہاں سے گزرے۔ عورت کی مصیبت' اس کی پریشانی نے اس کی تقدیر کو چمکا دیا۔ کائنات کے محسنِ اعظم' دنیا کے معلمِ اعظم' حضور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بے ساختہ آگے بڑھے۔ مجبور خاتون کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور اسے گھر چھوڑ آئے۔

مدینہ طیبہ میں بھی ایک بوڑھی خاتون اپنا سامان اٹھائے آمادہ سفر تھی۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا سامان اپنے سر اور کاندھوں پر لے لیا اور اس سے اس کی منزل پوچھی۔ بتایا کہ یثرب میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نام کے ایک جادوگر (نعوذ باللہ) آئے ہیں' ان کے ڈر سے نقل سکونت کر رہی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے وہاں پہنچا دیا' جہاں اسے جانا

تھ۔ اس نے آپ کا اسم گرامی پوچھا تو "جادو" کا معنی اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس اخلاقِ عظیمہ کے زیر اثر وہ بھی نہ صرف واپس لوٹ آئی' بلکہ حیطۂ رحمت میں آگئی۔

وہ بوڑھا غلام جو ندی سے پانی لاکر اپنے آقا کے باغ میں پودوں کی سیرابی کے عمل میں نڈھال ہو رہا تھا' اس کی ٹانگیں لرزاں تھیں' اس کے بازو جنباں تھے' اس کا دل دھڑک رہا تھا اور پسینہ اس کے جسم کو نہلا رہا تھا' --- اسے جب محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا تو اسے آرام سے بٹھا دیا' اس کا سارا کام خود انجام دیتے رہے اور کام مکمل ہونے کے بعد فرمایا۔ بھائی' جب مدد کی ضرورت ہو' مجھے بلا لیا کرو۔

ایک دن حضور رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ایک بچے کو دیکھا کہ سر پر بھاری بوجھ اٹھائے جا رہا ہے اور بوجھ کے سبب اس کی گردن جھکی جا رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو روکا اور فرمایا' اپنا بوجھ مجھے دے دو' میں تمہارے گھر تک لے چلتا ہوں۔ راستے میں اس سے پوچھا۔ تمہارا باپ کیا کام کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا' ایک برس ہوا' مرگیا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والثنا نے فرمایا' تم میرے پاس آ جایا کرو' میں تمہارا بوجھ تمہارے گھر پہنچا دیا کروں گا۔ بچے نے کہا' میری ماں بہت غریب ہے' وہ آپ کو مزدوری نہیں دے سکے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تم اس کی فکر نہ کرو۔ میرا خدا مجھے مزدوری دے گا۔

کوئی ایک واقعہ ہو تو کوئی بیان کرے۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جہاں کائناتِ انسانیت کی سب سے بڑی ہستی' بلکہ سب کائناتوں کے محسن و مربی نے چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی تکلیف کو خود محسوس فرمایا' اس کی پریشانی کا فوری ازالہ فرمایا

اور اس کی مدد میں اپنے مقام و مرتبہ کا کوئی خیال نہ کیا۔

یہ میرے آقا حضور' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ ہے' آپ کی عادتِ کریمہ ہے۔ اب یہ آپ دیکھ لیجئے کہ خود آپ پر اور مجھ پر اس سنتِ مبارکہ کا کتنا اثر ہے۔ بلکہ ریش دراز کی سنتِ مبارکہ پر عمل کرنے والوں کو آپ میں سے کس آدمی نے کس بازار' کس گلی میں' کبھی' زندگی بھر میں دو ایک مرتبہ ہی سہی' حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس سنتِ مبارکہ پر عمل کرتے دیکھا ہے۔ کیا لوگوں کے کام آنا سنت نہیں' لوگوں کی مدد کرنا سنت نہیں' کمزور اور ناتواں لوگوں کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام خوش دلی سے انجام دینا سنت نہیں' لوگوں کا آٹا پیس دینا' ان کے ایسے کام کر دینا سنت نہیں جن کو انجام دینے میں انہیں مصیبت کا سامنا ہو۔ پھر کیا ایسے اعمال حسنہ سے دور رہ کر بھی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا ہمارا دعویٰ مناسب ہے۔

بچوں پر شفقت

حضور سیدِ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو پیار کرتے' ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے' ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے' انہیں گود میں بٹھاتے' انہیں اپنی سواری پر سوار فرماتے' ----- غرض آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبت بھرا عمومی سلوک بچوں کے باب میں خصوصی حیثیت اختیار کر جاتا اور واضح ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کمسنوں پر نسبتاً" زیادہ شفیق' زیادہ مہربان ہیں۔

حضور رحمت ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ اطفال پر زیادہ رحیم نظر آتے ہیں' بچوں سے آپؐ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ بچے بھاگ بھاگے آتے اور حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ لپٹ جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کتنے ہی ضروری کام کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں، تھوڑی دیر رک کر بچوں کو پیار فرماتے۔ سرکار (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سفر سے لوٹتے تو بچے آپؐ کا استقبال کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خوشی کا اظہار فرماتے، رک جاتے اور بچوں کو سواری پر اپنے آگے اور بعض کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ آقا حضور علیہ الصلوۃ والسلام صحابہؓ سے فرماتے، تم بھی بچوں کو ساتھ بٹھاؤ۔ بچے خوش ہو جاتے۔ بعد میں آپس میں اس عزت پر مفتخر ہوتے۔ کوئی کہتا، مجھے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے آگے بٹھایا تھا، تجھے تو پیچھے بٹھایا تھا۔ کوئی کہتا، مجھے سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی سواری پر بٹھایا، تمہیں صحابہ نے اپنی سواری پر جگہ دی تھی۔

بچوں پر شفیق رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان سے گفتگو فرماتے تو وہ نہایت دلچسپ ہوتی۔ بچوں کو بہلانے کے لئے دل لگی کے فقرے استعمال فرماتے، بچوں کو جمع کر کے انعامی دوڑ رکھواتے کہ ان میں سے کون پہلے آ کر آپؐ کو چھوتا ہے۔ سرکارِ والا تبار (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی خدمت میں موسم کا پہلا پھل پیش کیا جاتا تو آپؐ فرماتے، اے اللہ! ہمارے لیے برکت عطا فرما ---- ہمارے مدینے میں، ---- ہمارے پھلوں میں ---- اور اشیا ناپنے کے ہمارے پیمانوں میں ---- پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ پھل اپنی بارگاہ میں حاضر بچوں میں سے سب سے چھوٹے بچے کو عطا فرما دیتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مدینہ منظمہ کی بچیوں میں سے کوئی بچی بھی آ کر آقا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا دستِ اقدس پکڑ لیتی تو آپؐ اس کا ہاتھ نہیں جھٹکتے تھے، حتیٰ کہ وہ جہاں چاہتی، آپ کو لے جاتی۔

بچوں کی پرورش اور ان سے حسنِ سلوک کے حوالے سے آقا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ارشادات و فرامین کے ذریعے سے اور اپنے عمل د

کردار کے زیرِ اثر عرب کے اس جھوٹے وقار کے بخیے بھی ادھیڑ دیے کہ بچے کو گود میں لے کر پیار کرنا وقار کے خلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی اولاد اور اپنی اولاد کی اولاد کو بھی پیار کی، دوسرے بچوں کے ساتھ بھی محبت و شفقت کا یہی سلوک مسلسل روا رکھا اور اپنے ماننے والوں، اپنے زیرِ تربیت حضرات کو اسی کی تلقین اور ہدایت فرمائی۔ حضرت اقرع بن حابسؓ نے جب یہ کہا کہ میرے دس بچے ہیں، میں تو انہیں پیار نہیں کرتا، ایک روایت میں ہے، حضور علیہ الصلوۃ والثنا نے فرمایا کہ اگر محبت کا جذبہ اللہ نے تیرے دل میں پیدا نہیں کیا، یا رہنے نہیں دیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

بچوں کی تربیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم انہیں دین کی باتیں سکھانے کے لیے اپنا ساتھ مسجد لے جایا کریں۔ ہم یہ کرتے تو ہیں لیکن ہمارے مولوی صاحبان اعلان فرما دیتے ہیں کہ بچے آخری صف میں چلے جائیں۔ ہم اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ہر بچہ معصوم ہوتا ہے لیکن جب کچھ بچے اکٹھے ہو جائیں تو شیطان بھی وہاں آ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سب بچے پچھلی صف میں اکٹھے ہوتے ہیں تو نماز میں دل لگانے اور نماز کی اہمیت کا احساس کرنے کے بجائے شرارت کا جذبہ ان میں کارفرما ہو جاتا ہے اور تربیت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ پھر اگر بچہ چھوٹی عمر کا ہے تو قریب نہ ہونے کی وجہ سے باپ کا دل بھی نماز میں لگنے کے بجائے بچے میں اٹکا ہوتا ہے، یوں اس کی نماز غارت ہو جاتی ہے۔ اور، اگر بچے نماز میں ہنسیں یا بدتمیزی کرنے لگیں تو سب نمازیوں کا خضوع خشوع عنقا ہو سکتا ہے۔

ایسے میں ہمیں حضور رحمتِ ہر عالم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہؓ کو اٹھائے ہوئے مسجدِ نبوی میں آنا اور فرض نماز انہیں اسی طرح اٹھائے اٹھائے پڑھانا کیوں بھول جاتا ہے۔

پھر فرض نماز میں حضرت امام حسن یا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہما) کا سجدہ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمر پر سوار ہونا اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدے کو لمبا کر دینا ہمیں کیوں یاد نہیں رہتا ----

ہم مسجدوں میں اپنے بچوں کی جس طرح تربیت کر رہے ہیں، اس کا انداز اس تربیت سے بالکل مختلف نظر آتا ہے جو میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بہت سے پیارے پیارے لمحات پیارے پیارے بچوں سے محبت و شفقت کی صورت میں گزرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابۂ کرام کو، اپنی امت کو بھی یہی راہ سجھائی۔ بعض لوگ اپنے بچوں کے ساتھ گھل مل کر بیٹھنا، باتیں کرنا، ان سے پیار محبت کرنا، ان سے کھیلنا، ان سے مذاق کرنا پسند نہیں کرتے ---- اس طرح بچوں اور بزرگوں میں فاصلہ قائم ہو جاتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا اور بعض صورتوں میں اس کے نتائج بہت تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کی تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے، ان سے ہنستے بولتے بھی تھے اور ان کی ذہنی استعداد کے مطابق باتیں کرتے ہوئے ان کے کردار کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کے جو انداز اختیار کیے ہیں، وہ ہمارے لیے رہنما ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ بچوں کے منہ میں لعابِ دہن ڈالا، کسی کو گود میں اٹھایا، کسی کا ماتھا، کسی کا پیٹ چوما، کسی کے منہ میں اپنی زبان مبارک ڈالی، کسی پر پانی چھڑکا، کسی کے منہ پر کلی فرمائی، کسی کے سر پر، کسی کے چہرے پر، کسی کے منہ اور سینے پر، کسی کے بالوں پر دستِ مبارک پھیرا۔

حضور فخرِ موجودات مشفقِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے کسی بچے کو اپنا محبوب فرمایا، کچھ بچوں کو دعائیں دیں، کسی کو تحفہ، کسی کو انعام، کسی کو خوشے، کسی کو چادر، کسی کو تلوار، کسی کو زیور، کسی کو بکریاں عطا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو دیکھ کر خطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر آئے۔ کسی کو زانو پر بٹھایا۔ کسی کو روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑے۔ کسی کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کے ساتھ مزاح فرمایا، کسی کو اپنے ساتھ سواری پر سوار کرایا، کسی کو اپنی کفالت میں لے لیا، کسی کا آسیب، کسی کی بلا، کسی کا دردِ سر رفع فرمایا۔

کسی بچے نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برا نہیں مانا۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر پکڑ لی، کسی نے آپؐ کے ساتھ چہلیں کیں، کسی نے آپؐ کی پنڈلی پکڑ لی، کسی نے آپؐ کے جوتے اور پاؤں کے درمیان ہاتھ رکھا، کوئی بچی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت کے ساتھ کھیلتی رہی ---- غرض، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں پر شفقت کے ایسے کئی مناظر سامنے آتے ہیں (میری تالیف "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے" میں اس موضوع پر بہت سا مواد اکٹھا ہے) اور ہمارے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں کہ ہم اپنے پرائے سب بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا ایسا سلوک کریں جو انہیں اچھا شہری، اچھا مسلمان اور اچھا انسان بنانے میں ممد ہو سکے۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس شخص کا بیٹا آیا تو اس نے بیٹے کا بوسہ لیا اور اسے اپنی ران پر بٹھا لیا۔ پھر اس کی بیٹی آئی تو اس نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر اس شخص کو

فرمایا "تم نے ان دونوں کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیوں نہیں کیا؟"
اس طرح سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری امت کے لیے رہنمائی فرما دی کہ سب بچوں سے ایک جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ بیٹی ہو یا بیٹا' ان میں سے کسی کے ساتھ بھی عدم انصاف کا سلوک مناسب نہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ حضور رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بار مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو مشروب پلانا چاہا تو دائیں جانب ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں طرف کچھ معمر لوگ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ پہلے دائیں جانب سے شروع فرماتے تھے لیکن اس موقع پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکے سے کہا' تم اجازت دو تو میں پہلے یہ مشروب ان بزرگ لوگوں کو دے دوں۔

آپ اندازہ فرمائیے' حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسبِ معمول دائیں جانب سے شروع کر دیتے تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ اگر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رسیدہ لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں پہلے پیالہ عطا فرما دیتے تو بچے کو کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی عمر کے لوگوں کو پہلے پلا بھی دیا لیکن چھوٹے پر شفقت کی اس انداز میں انتہا کر دی کہ اس سے اجازت طلب فرمائی۔

اگر کوئی حرج نہ ہو تو یہ تحریر لکھنے والے سے لے کر اسے پڑھنے والوں تک' سب لوگ اپنے گریبانوں میں جھانک لیں کہ ہم بچوں پر شفقت کے سلسلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام و ارشادات اور آپ کی عادات کریمہ سے کتنا اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔

غلاموں پر شفقت

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخوتِ اسلامی کا جو سبق دیا اور مساوات انسانی کی جو تلقین کی' اس کی قابلِ فخر صورت یہ ہے کہ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ غلاموں کی زندگی ڈھور ڈنگروں سے بھی بدتر تھی' آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو برابری کے سلوک کا مستحق قرار دیا۔ نسلی تفاخر کا شکار معاشرہ حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے ذریعے اور خود آپؐ کے عمل کے تتبع میں مساوات و اخوت کا عامل بن گیا۔ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی عادتِ کریمہ تھی کہ چھوٹے طبقے' مظلوم' بے بس اور درماندہ لوگوں سے' زیادہ بہتر سلوک فرماتے' انھیں شفقت و عنایت کا زیادہ ہدف بناتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقتِ کریمانہ کی وجہ سے غلاموں نے آزادی کو ہیچ سمجھنا شروع کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ اپنے والد کے ساتھ واپس نہیں گئے اور اگرچہ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انھیں آزاد کر دیا تھا' حضرت زیدؓ نے دوسرے صحابۂ کرامؓ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں زندگی بسر کرنے کی خواہش کی۔ پھر میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحشؓ سے کر دی۔ جاہلیت کا معاشرہ غلاموں کو جانوروں سے بدتر سمجھتا تھا' محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ان کو عزت و احترام کا وہ مقام عطا فرمایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ پھر حضرت زیدؓ نے جناب زینبؓ کو طلاق دی تو وہ ہم مسلمانوں کی ماں بنیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آئیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے' حضور محسنِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا' فرمایا "ابو مسعود! تمھیں اپنے غلام پر جتنا اختیار ہے' تمہارے خالق و مالک کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے"۔

ابو مسعود نے فوراً غلام کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہارے قریب پہنچ گئی تھی"۔

ایک بار صحابی نے ایک عجمی غلام کو سخت سست کہا۔ حضور مطاع اہلِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غصے سے انھیں مخاطب کیا۔ فرمایا۔ کیا تم میں اب بھی جہالت کا اثر باقی ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اگر یہ تمہارے مزاج کے مطابق نہیں تو بیچ دو۔ لیکن اللہ کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ انھیں کھلاؤ، جو خود پہنو انھیں پہناؤ۔ اتنا کام نہ دو جو وہ کر نہ سکیں۔ اور زیادہ کام دو تو خود کام میں ان کی مدد کرو۔

کسی نے اپنے ہاں سے روانگی کے وقت حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سواری کے لئے خچر دیا اور ایک غلام ہمراہ کر دیا۔ کچھ آگے جانے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلام سے فرمایا کہ تم میرے آگے سوار ہو جاؤ، کیونکہ جس کی سواری ہے، وہ آگے بیٹھنے کا مستحق ہے۔ غلام نے آگے بیٹھنا ادب کے خلاف سمجھا تو میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے دو ٹوک انداز میں فرمادیا کہ یا تو سوار ہو جاؤ، یا یہیں سے واپس چلے جاؤ۔

ایک دن حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پتا چلا کہ فلاں یہودی کا غلام بیمار ہے۔ آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بہت اندھیرا تھا۔ غلام چادر اوڑھے پڑا تھا۔ اس نے آہٹ سنی تو بولا "کیا میرے آقا نے کسی کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے؟"۔ امداد گارِ ستم رسیدگاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، ہاں میں تیری مدد کو بھیجا گیا ہوں۔ پھر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رات بھر اس غلام کی خدمت کی۔ صبح ہوئی تو اس نے پہچان لیا۔ آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ غلام نے گھبرا کر کیا کچھ کہا ہو گا اور دنیا بھر کے

مظلوموں اور زیر دستوں پر شفیق آقا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے کیا فرمایا ہو گا۔ پورا مکالمہ سنے بغیر قارئینِ کرام کا یہ اندازہ لگا لینا کہ کیا ہوا ہو گا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور غلاموں پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفقت کے مستقل رویے کی مضبوط گواہی ہے۔

کنیزوں کے ساتھ کائنات کے محسن آقا علیہ التحیہ والثنا کا برتاؤ اتنا کریمانہ تھا کہ اپنی موروثی کنیز حضرت امِ ایمن برکہ رضی اللہ عنہا کو آقائے کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے "**امی بعد امی**" فرمایا، کہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔ حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان منہ بولی ماں کے ساتھ آپؐ کی مثالی محبت و شفقت کے ایسے ایسے واقعات منقول ہیں کہ پڑھ سُن کر روح تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت امِ ایمنؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیاہ فام کنیز تھیں۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں سب سے زیادہ یہی شخصیت آپؐ کے قریب رہیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں آزاد کر دیا۔ لیکن زندگی بھر ان سے مسلسل رابطہ رکھا۔ ایک بار حضرت امِ ایمن نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے سواری کے لئے اونٹ چاہئے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، میں آپ کو اونٹ کا بچہ دے دوں گا۔ پریشان ہو گئیں کہ میں کب تک بچے کو پالتی رہوں گی، مجھے تو سواری کے لئے اونٹ چاہئے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہر اونٹ، اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت امِ ایمنؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ شربت لے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزے سے ہوں۔ ازراہِ محبت ناراض ہوئیں کہ میں اتنی محبت سے شربت بنا کر لائی ہوں اور آپ

روزہ رکھ کر تشریف لائے ہیں۔

کنیزوں کے ساتھ میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کے سلوک کا ایک پہلو یہ ہے کہ جو خواتین آپ کی کنیزی میں آئیں، آپ نے انھیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا اور معاشرتی طور پر ان ہستیوں کا مرتبہ اتنا بلند کر دیا کہ جناب جویریہؓ اور جناب صفیہؓ سب مومنوں کی مائیں ہیں۔

آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی سیرتِ پاک سے جن غلاموں کا تعلق بنتا ہے، انھیں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی زندگیوں کو دیکھیں، ان سے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے سلوک شفقت و محبت کا اندازہ کریں تو حضور رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی یہ عادتِ مبارکہ سامنے آتی ہے کہ آپ نے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ شفقت کی عدیم المثال صورتیں پیدا کیں۔

سیرتِ طیبہ سے واقفیت رکھنے والوں میں سے کون نہیں جانتا کہ ایک سیاہ رنگ والے غلام زادے (حضرت اُسامہ بن زیدؓ) کو جن کی ناک چپٹی تھی، میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ایک زانو پر بٹھا کر دوسرے زانو پر حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو بٹھاتے تھے اور دونوں سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائے کہ تو بھی ان سے راضی ہو جا۔ یہ ایسی شخصیت تھے کہ جو بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے کرتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی جھجکتیں تھیں، وہ ان کے سپرد کی جاتی تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے منوا لیتے تھے۔

اگر ہم نہیں جانتے تو ہمیں جان لینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنے حبشی غلام (حضرت ہلالؓ) ہی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کی توجہ سے زمین و آسمان کا دائرہ قائم ہے۔ پھر یہی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے

بارے میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ جنت الفردوس ان کی مشتاق ہے۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ استفسار پر ارشاد فرمایا کہ جنازے میں فرشتوں کا اتنا ہجوم ہے کہ پورا پاؤں رکھنے کو جگہ نہیں ملتی۔

اور ہمارے سردار، ہمارے سرداروں کے سردار سیدنا بلالؓ سے حضور صلی اللہ علیہ · آلہ و سلم جتنی محبت فرماتے تھے اور جس طرح تمام صحابۂ کرام (رضی اللہ [illegible]م) ان کی عزت کرتے تھے، اس سے کون واقف نہیں۔ انہوں نے ایک بار اپنی بیگم کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی کوئی حدیثِ مبارک سنائی کہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے یہ فرمایا ہے۔ بیگم بولیں، پتا نہیں، آپ کو پورے الفاظ صحیح طور پر یاد بھی ہیں یا نہیں؟ اس پر ناراض ہو گئے اور تنتناتے ہوئے گھر سے چلے، بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیگم مجھے سچا نہیں سمجھتیں۔ آپ خود تشریف لے چلیں اور میری بیوی کو یقین دلا دیں کہ میں نے جو بات اس تک پہنچائی ہے، وہ من و عن پہنچائی ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ان کے ساتھ چل پڑے، ان کے گھر تشریف لے گئے، ان کی بیگم سے فرمایا، بلالؓ کی بات پر شک نہ کیا کرو۔ بلالؓ جھوٹ نہیں بولتے۔

یتیموں پر شفقت

جس بچے کا والد یا والدین اس کے بچپن میں فوت ہو جائیں، اسے یتیم کہتے ہیں۔ یتیم کی پرورش و پرداخت میں اس کے والدین کا عمل دخل ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی نگرانی اور تربیت میں والدین کی طرف سے کی جانے والی کاوش نہیں ہوتی، اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس کے پالنے والے پوری

نہیں کر سکتے .... اسی لئے داغ یتیمی بڑا اندوہناک ہے۔ بچوں کے عہدِ
طفولیت میں، ان کے بچپن کے زمانے میں پرورش اور تربیت کرنے والی ہستی کا
سر سے اٹھ جانا بہت بڑا حادثہ ہے۔ بچہ اس وقت نگاہِ شفقت اور دستِ کرم کا
محتاج ہوتا ہے۔ اس کی فطرت تربیت کی ضرورت مند ہوتی ہے۔ ایسے میں
والدین کے گزر جانے سے جو کمی واقع ہو جاتی ہے، اس کے احساس کے پیشِ
نظر خدا تعالیٰ نے یتیموں کے بڑے حقوق رکھے ہیں، ان سے حسنِ سلوک کی
ہدایت فرمائی ہے۔

قرآنِ مجید میں (النسا - الانعام - البقرہ - الشمس - الضحیٰ وغیرہ) یتیموں کے
حقوق کے بارے میں بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں، حضور نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثنا نے
فرمایا، میں اور یتیم بچے کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح نزدیک ہوں
گے، --- آپؐ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعے یہ بات بتائی
(مسند احمد میں یہی حدیث حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے)

سنن ابنِ ماجہ (ابواب الاداب) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے،
حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مسلمانوں کے گھروں میں
بہتر گھر وہ ہے جس میں ایک یتیم پرورش پاتا ہو اور اس کے ساتھ احسان کیا جاتا
ہو اور بدتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

عالمین کے لئے رحمت کے طور پر مبعوث کئے گئے حضورِ اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم تو ہر اس فرد بشر پر شفقت و کرم کی انتہا فرماتے تھے، جس کو نگاہ
شفقت اور دستِ کرم کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور یتیموں کا تو آقا حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا جو ننگے پاؤں اور ننگے سر روتا ہوا جا رہا تھا۔

آپؐ اسے اس حال میں دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ آگے بڑھ کر بچے کو گود میں
لیا، پیار کیا۔ معلوم ہوا کہ بچے کے ماں باپ زندہ نہیں ہیں اور وہ دو وقت سے
بھوکا ہے۔ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جان کر تڑپ اٹھے
اور بچے کو گھر لے آئے۔ کئی روز تک اسے اپنے پاس رکھا۔ پھر اس کے رشتہ
دار آئے اور بچے کو ساتھ لے گئے۔

ایک دن حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک بچے کو دیکھا
کہ سر پر بھاری بوجھ اٹھائے جا رہا ہے اور بوجھ کے سبب اس کی گردن جھکی جا
رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو روکا اور فرمایا، اپنا بوجھ مجھے
دے دو، میں تمہارے گھر تک لے چلتا ہوں۔ راستے میں اس سے پوچھا۔ تمہارا
باپ کیا کام کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا، ایک برس ہوا، مر گیا ہے۔ حضور علیہ
الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا، تم میرے پاس آ جایا کرو، میں تمہارا بوجھ تمہارے گھر
پہنچا دیا کروں گا۔ بچے نے کہا، میری ماں بہت غریب ہے، وہ آپ کو مزدوری
نہیں دے سکے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم اس کی فکر
نہ کرو، میرا خدا مجھے مزدوری دے گا۔

ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ کی صاجزادیاں اور حضرت فاطمہ الزہراؓ حضورِ
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنے
افلاس اور تنگ دستی کے حوالے سے عرض کی کہ جو کنیزیں غزوے میں آئی
ہیں، ان میں سے ایک دو ہمیں مل جائیں تو ہماری مشکل آسان ہو جائے گی۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے
ہیں۔ اس طرح محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اپنی پیاری بیٹی کی
درخواست پر یتیموں کی ضرورت کو اہمیت دی۔

ایک یتیم بچے نے حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار

پرانوار میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ ایک شخص نے اس کے کھجوروں کے باغ پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو طلب کیا' مقدمہ سنا تو فیصلہ بچے کے خلاف تھا۔ بچہ فیصلہ سن کر رونے لگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا۔ آپؐ نے اس شخص سے کہا کہ باغ تو تمہارا ہی ہے لیکن اگر تم یہ باغ اس یتیم بچے کو ہبہ کر دو تو خدا تمہیں اس کے بدلے میں جنت میں سدا بہار باغ عطا فرمائے گا۔ اس وقت محفل مقدس' دربار دربار میں' بارگاہِ بیکس پناہ میں حضرت ابوالدحداحؓ بھی حاضر تھے۔ انھوں نے اس شخص کو ایک طرف لے جا کر پیشکش کی کہ تم اس باغ کے بدلے میرا فلاں باغ لینا پسند کرو تو یہ سودا کر لو۔ وہ شخص راضی ہو گیا۔ ابوالدحداحؓ نے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی کہ آپ جو باغ اس یتیم بچے کو دلوانا چاہتے ہیں' وہ باغ میں اسے دے دوں تو مجھے اس کے بدلے جنت میں باغ ملے گا؟ نبیؐ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا' یقیناً" ضرور ملے گا۔

اس طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم بچے کا حق نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی پریشانی کو برداشت نہیں فرمایا اور جنت کا سودا کر کے یتیم کو خوش کر دیا۔

عورتوں پر احسانات

ہر مخلوق حضور محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احساس رحمت سے مستفید ہوئی۔ حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری دنیاؤں کی طرح دنیائے انسانیت کے بھی محسن ہیں۔ بنی نوع انسان میں بچوں' جوانوں' بوڑھوں کی طرح میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے بھی

محسن و مربی ہیں۔ خواتین کو معاشرے میں ایک کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا' انہیں اپنے لئے باعثِ ذلت و ندامت گردانا جاتا تھا۔ ان کی عزت و احترام کا کیا سوال' ان کی زندگیوں تک سے کھیلنا اپنی عزت و افتخار کو بچانے کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ ہمارے سرکار و سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں معاشرے میں باوقار مقام عطا کیا۔ لوگوں کو سمجھایا کہ عورت صرف ایسی بیوی ہی نہیں جو مرد کے رحم و کرم پر ہو' وہ محض ایسی بیٹی بھی نہیں جسے پیدا ہوتے ہی قتل کرنا ضروری سمجھا جائے' وہ ایسی بہن بھی نہیں جو بھائیوں کو ناحق لڑائیوں میں مشغول دیکھے اور بے جواز قتل کرتے یا قتل ہوتے دیکھے۔ اسے بالآخر ماں بننا ہوتا ہے اور بیوی' بہن' بیٹی کے رشتے اس راستے کے رشتے ہیں اور جس ہستی کی تخلیق کا بنیادی مقصد ماں بننا ہو' وہ اپنے راستے کے ہر رشتے میں قابلِ شفقت یا لائقِ احترام ہوتی ہے۔

آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خواتین کے حوالے سے اپنے سارے رشتوں کے لئے شفیق و رحیم یا مودب رہنے کے آداب بتائے' خونی رشتوں کا اکرام سکھایا' رضاعی رشتوں کی تکریم کا سبق دیا۔ اور' ------ ظاہر ہے کہ حضور رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم دیا' پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہی دنیائے اسلام کے تمام افراد کے لئے رہنما ہے۔

ایک سفر میں چند اونٹوں پر مستورات سوار تھیں۔ انجشہؓ نام کے ایک حبشی غلام ان کے ساربان تھے۔ وہ حُدی خوانی کرنے لگے جس سے اونٹ تیز چلنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انجشہ! دیکھنا کانچ کے شیشوں کو توڑ نہ دینا"۔ اس ارشاد سے آپؐ کا یہ مطلب تھا کہ کہیں اونٹوں کے تیز چلنے سے مستورات کو تکلیف نہ ہو۔

ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت عائشہؓ صدیقہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ عید کا دن تھا اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گا رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور لڑکیوں کو ڈانٹا کہ یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا "گانے دو۔ یہ ان کی عید کا دن ہے"۔

سفر میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اگر ازواجِ مطہرات ہوتیں تو آپؐ ان کو اونٹ پر اس طرح سوار کراتے کہ اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیتے اور وہ اپنا پاؤں اس پر رکھ کر اونٹ پر چڑھ جاتیں۔

ایک دن عورتوں نے حضور سرورِ دو عالم حبیبِ ربِ مکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ کی محفلِ پاک میں، دربارِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا ہے۔ ہم بھی دین کی باتیں سیکھنا چاہتی ہیں، آپ کی قربت و معیت سے مستفید ہونے کی خواہش رکھتی ہیں، ہمارے لئے ایک خاص دن مقرر فرما دیں۔ اس گزارش پر میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواتین کے لئے ایک دن خاص کر دیا۔ وہ اس دن حاضر ہوتیں اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔

ایک بار اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے حضرت عائشہؓ سے کچھ مانگا۔ اس وقت گھر میں صرف ایک کھجور تھی۔ ام المومنین صدیقہ کائناتؓ نے وہ کھجور اس عورت کو دے دی جو عورت نے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی اور چلی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ آپؐ سے عرض کر دیا۔ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "جس شخص کے ہاں

لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو لڑکیاں آتشِ دوزخ کے اور اس شخص کے درمیان حائل ہو جائیں گی"۔

عیب پوشی

اگر معاشرے میں سکون و طمانینت اور محبت کی عملداری مقصود ہو تو ایک بہت ضروری بات یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کو بدنامی سے بچایا جائے، ان کی عیب پوشی کی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجرم جیلوں سے زیادہ بڑے مجرم بن کر نکلتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے دل سے برائی کی جھجک ختم ہو جائے تو وہ کھلم کھلا برائی پر تیار ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی کو بدنام کرنے کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس برائی پر پوری طرح مائل ہو جائے۔ پھر کسی ایک فرد کا کسی برائی کی طرف راغب ہونا فرد کا فعل ہے، جب اسے عام کر دیا جائے تو اس کا اثر و نفوذ پورے معاشرے میں ہو سکتا ہے۔

مسلم شریف میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا، جو شخص دنیا میں کسی کی عیب پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔ سنن ابوداؤد میں ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، جس نے کسی کا کوئی عیب دیکھا اور اس پر پردہ ڈالا تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے زندہ گاڑی ہوئی کسی لڑکی کو زندہ کر دیا۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عیب پوشی فرماتے تھے، لوگوں کے گناہوں سے صرفِ نظر فرماتے تھے، کوشش فرماتے تھے کہ سزائیں نہ دی جائیں۔ دراصل منشا و مقصدِ رسالت یہ تھا کہ لوگوں کو سزا کا خوف رہے اور لوگ جرم نہ کریں۔ لیکن جرم کا اظہار ہونے لگتا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام

پسند فرماتے کہ جرم ڈھکا رہے۔ ایک صحابیؓ سے زنا کا جرم سرزد ہو گیا۔ کسی کو اس کی خبر نہ تھی لیکن سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے حسنِ تربیت سے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) کی ذہنیت اپنی پاکیزہ بنا دی تھی کہ وہ غلطی کر بیٹھتے تو خود سزا کے خواہش مند ہوتے تاکہ آخرت کے عذاب کے بجائے یہیں سزا پا لیں اور اللہ کے ہاں پاک صاف ہو کر پہنچیں۔

وہ صحابی آئے اور بارگاہِ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی توجہ نہ دی اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور پھر اقرار کیا کہ مجھ سے اس جرم کا ارتکاب ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر رخ بدل کیا۔ کئی بار ایسا ہوا تو سرکار رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' تم دیوانے تو نہیں ہو۔ انھوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے' بس مجھے احساسِ گناہ چین نہیں لینے دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا' تمھاری شادی ہو چکی ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور سید الانبیا علیہ والثنا نے فرمایا' تم نے غیر عورت کو فقط ہاتھ لگایا ہو گا۔ صحابی نے عرض کیا' نہیں' میں زنا کا مرتکب ہوا۔ اس پر حد جاری کی گئی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عیب پوشی کی کیا اہمیت ہے۔ اور' آج کے معاشرے کی بدقسمتی ظاہر ہوتی ہے جہاں ہر آدمی دوسرے مسلمان بھائی کی عیب جوئی میں مصروف ہے' غیبت کرتا ہے' بہتان باندھتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جرائم اور منکرات کا دور دورہ ہونے کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے۔ اللہ کریم ہمیں سیدھی راہ دکھائے۔

تضمین بر قصیدہ معراج (چند بند)

یہ دھوم جشن وصال کی تھی کہ دو جہاں حسن میں ڈھلے تھے
زمین سے انوار اٹھ رہے تھے فلک سے جلوے برس رہے تھے
روش روش غرق رنگ و بو تھی' قدم قدم راستے سجے تھے
"وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے' نرالے' طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے"

ہے عید نغمات نعت' مرغ خرد کو آزادیاں مبارک
غزال تخیل کو ادب کی جناں بکف وادیاں مبارک
عروس فصل چمن کو قصر ارم کی شہزادیاں مبارک
"بہار ہے' شادیاں مبارک' چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے"

قدم قدم پر شب مبیں میں' رچی تھیں شادی' مچی تھیں دھومیں
جناں کی ہر محفل حسیں میں' رچی تھی شادی' مچی تھیں دھومیں
بہشت میں' جنت بریں میں' رچی تھی شادی' مچی تھیں دھومیں
"وہاں فلک پر یہاں زمیں میں' رچی تھی شادی' مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے"

نہا کے آب طہور میں جب حسین طیبہ نے زلف جھٹکی
چمن چمن بو سے جھوم اٹھے، گلی گلی گلستاں کی چٹکی
جو شانہ کرنے کو گوری گوری جبین انور سے دور "لٹ" کی
"یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے"

جمال اسریٰ میں جلوہ جلوہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
ہر ایک منظر، ہر اک نظارا نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
بہ صد تکلف، بہ ناز و غمزہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
"نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے، کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے"

تضمین: علامہ اختر الحامدی انصیائی
قصیدہ: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی

شب معراج

جب رب نے شہؐ دیں کو بلایا شب معراج — معراج کا اک جشن منایا شب معراج
ہر شے پہ نیا روپ تھا آیا شب معراج — پلٹی تھی ہر اک چیز کی کایا شب معراج
سرکارؐ دو عالم کو سر عرش بلا کر — کچھ اور بھی اعزاز بڑھایا شب معراج
جبریل ہوئے حاضر کاشانہ اقدس — آقاؐ کو جہاں نیند میں پایا شب معراج
کافور سے رخسار کو مل کر کف پا سے — معراج کے دولھا کو جگایا شب معراج
بیدار ہوئے آپ، تو خلاق ازل کا — پیغام ادب سے یہ سنایا شب معراج
"اللہ نے ہے آپ کو اے نوشہؐ اسریٰ — تا منزل قوسین بلایا شب معراج"
اللہ کے محبوبؐ نے جبریل امیں سے — یہ مژدہ، یہ پیغام جو پایا شب معراج
رحمت کی مہک بار بہاروں میں نہا کر — ہر عضو کو خوشبو میں بسایا شب معراج
والشمس کی کرنوں سے بنایا ہوا جوڑا — اپنے تن اقدس پہ سجایا شب معراج
پھر چشم کرم بار میں مازاغ کا سرمہ — سرکارؐ دو عالم نے لگایا شب معراج
نوشاہؐ جو سج کر ہوئے آمادہ سفر پہ — تا عرش براق آپ کو لایا شب معراج
آقاؐ کو ملی عرش سے رف رف کی سواری — پھر ان کو کسی نے بھی نہ پایا شب معراج
تھی قصر دنا سرورؐ کونین کی منزل — دروازے سے پردہ جو اٹھایا شب معراج
قوسین کی مسند پہ ہوئے جلوہ فگن آپؐ — ہر راز جہاں رب نے بتایا شب معراج
محبوب کو بے پردہ جمال اپنا دکھا کر — اپنا انہیں آئینہ بنایا شب معراج
انسان سے معراج کا ادراک ہے مشکل — بس ذات میں گم ہو گیا سایہ شب معراج
اک لمحہ میں اے صل علیٰ عرش بریں سے — محبوبؐ حسیں فرش پہ آیا شب معراج

کس طرح کوئی غیب نہاں ان سے ہو اختر
جب خود کو خدا نے نہ چھپایا شب معراج

علامہ سید محمد مرغوب اختر الحامدی

سیرِ لامکاں

حریمِ قدس سے پیغامِ سُبحَانَ الَّذِیٓ اَسْرٰی
امینِ سدرہ لے کر آج قلبِ فرش پر اُترا
وہ افسر قدسیوں کا پاؤں چھُوتا اور جگاتا تھا
"بلاوا عرش سے پہنچا ۔ اٹھو! اے شاہدِ بطحا!"
عجب تھا خوابِ راحت اور عجب تھی شانِ بیداری
دلِ دانا تھا ناظر، خواب میں تھا دیدۂ بینا
براق اک تیز تر برقِ تپاں سے، در پہ تھا حاضر
گروہِ قدسیاں گردِ حرم تھا صورتِ ہالہ
ہوئے تھے دَر سبھی دُرِّ یتیمِ ہاشمی پر، وا
کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ کا سُرمہ چشمِ ناطقی میں تھا
جوابِ لَنْ تَرَانِیْ تھا کسی کو رَبِّ اَرِنِیْ پر
کسی کو لامکاں پر اس نے اب ازخود بُلا بھیجا
بشر خلعت، حرم سے نور طلعت، بن کے جب نکلے
سلامی کے لئے جھکتا تھا سارا عالمِ بالا
چلے وہ نور کے پیکر، فرشتے چاکری میں تھے
حرم سے تا بہ اقصیٰ نور کے جلووں کا تھا پہرا
جماعت انبیاء کی منتظر تھی صحنِ اقصیٰ میں
امامت کو امام الانبیاءؐ نے آج آنا تھا

پلک جھپکی نہ تھی، ان کے قدم تھے عرش تک پہنچے
اڑے ذرّے، بنے شمس و قمر اور مشتری، زہرہ
خلیلِ چرخِ ہفتم تک، سب استقبال کرتے تھے
صفیؑ(۱) و یُوسُف و ادریس و یحییٰ، عیسیٰ و موسیٰ
ہزاروں منزلیں تھیں قدسیوں کے دیس سے آگے
پرِ شہبازِ سدرہ، شاخِ سدرہ سے رہا الجھا
وہ شاہِ دو سرا، ہر دو سرا سے جب بڑھے آگے
مثالِ گرد پیچھے رہ گئے تھے سدرہ و طُوبیٰ
بڑھا عرشِ معلیٰ ان کا دامن(۲) تھام لینے کو
قدم بوسی کو بچھتی جا رہی تھی جنت الماوی
قدم جوں جوں بڑھاتے تھے، حجابات اٹھتے جاتے تھے
نہ تھا دل میں جوابِ لَنْ تَرَانِیْ کا کوئی کھٹکا
صلائے اُدْنُ مِنِّیْ اُدْنُ مِنِّیْ(۳) بار بار آتی
تجلّی کا سویرا تھا ورائے اَلْاُفُقِ الْاَعْلٰی(۴)
ادھر سے شوق و جذبہ تھا، دنیٰ(۵) کی منزل آ پہنچی
ادھر بے کیف جاذب تھا، تَدَلّٰی کا یدِ طولیٰ
مقامِ قابَ قوسین آ گیا، امکاں ہوا اوجھل
قیود و سرحد و حد سے بری تھا قربِ اَوْ اَدْنٰی
زمانے میں ہزاروں عبد تھے معبود کے، لیکن
پھُریرا عبدہٗ کا ماورائے عرش لہرایا
جنہیں شاہد بنایا تھا دیا عین الیقیں ان کو
رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخرٰی(۶) دلیلِ رویتِ اولیٰ

قمرِ طٰہٰ صفت، تھا مہرِ عالمتاب سے روشن
فقط اک خالِ امکاں رُخ پہ تھا بے انتہا زیبا
حضورِ واجب اس شب حاضری تھی روحِ امکاں کی
کرشمہ تھا یہ قدرت کا، مکان و لامکاں یکجا
اَحد، احمدؐ، ہوئے واصل، اٹھا قوسین کا فاصل(۷)
میانِ حامد و محمود(۸) تھا اک میم کا پردہ
اَحَد کا دستِ قدرت تھا عطائے بے نہایت پر
فَاَوْحٰی(۹) کا اجالا تھا، لٹایا کنزِ مَا اَوْحٰی
وہ کیا آیات تھیں؟ جو لامکاں پر ان کو دکھلا دیں
وہی آیات جن کو ربِ اکبر(۱۰) نے کہا کُبْریٰ
ہوئے لاہُوت کے اَسرارِ پنہاں آپ پر ظاہر
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْم، اے شاہدِ یکتا
انہیں دیدار بخشا بے حجاب ان کے مربّی نے
مپرس از ما ز کیفیت، فَاٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا
وہ غیب الغیب کو جب دیکھ آئے سر کی آنکھوں سے
چھپانے کو رہا پھر کیا؟ وہ کیا تھا جو نہیں بخشا؟
جمالِ کبریائی کا بنایا جن کو آئینہ
انہیں مہماں بنایا لامکاں کا، عرشِ اعلیٰ کا
فلک پر ان کو موسیٰ دیکھتے تھے اور کہتے تھے
ہے شایان آپ کو گر مَنْ رَاٰنِی(۱۱) کا کریں دعویٰ
نہیں کوئی شریک اُس کا، نہ اِن کا کوئی ثانی ہے
خدائی میں وہ یکتا، مصطفائی میں یہ بے ہمتا

وہ احمدؐ(۱۲) عرش پر تھے، یعنی سب سے حمد میں بڑھ کر
مگر لب پر تھا عجزِ اعترافِ مَا عَرَفْنَاکَ
اِدھر سے پیشِ رب العرش، فرشی انکساری تھی
برستی تھی اُدھر سے رحمت و برکات کی برکھا
اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، عطائے بے کرانہ تھی
علومِ اولین و آخریں تھا جس کا اک قطرہ
وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ سے
شفاعت کا ملا رتبہ، غمِ امت کا بوجھ اترا
کہا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، ان کی امت سے
دیا یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کا انہیں تمغہ
ہے لَا یُخْزِی اللّٰهُ(۱۳) مژدہ ساتھ آقاؐ کے غلاموں کو
بھلا امت کو دامن گیر ہو کیونکر غمِ عقبیٰ؟
مبارک! التحیات و سلام، الفت کے وہ تحفے
عَلَیْنَا کہہ کے امت پر بڑا احسان فرمایا
حرم سے لامکاں تک آنِ واحد میں گئے آئے
وہ بوئے گلشنِ وحدت، بہارِ پستی و بالا
دلِ صدیقؓ سے پوچھو، نگاہِ عشق سے دیکھو
خرد بوجہل رہی اس سے جو پوچھا بھی تو کیا پوچھا؟
قلم سے کیا رقم ہو وصفِ سیرِ لامکاں حافظؔ!
کہا جب خالقِ اکبر نے "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی"

حافظ چشتی، تونسوی (ایسال شریف)

حاشیہ

(۱) یہ ترتیب شعری، اضطراری ہے، ترتیب حدیثی وافلاکی یوں ہے 'اٰدم صفی اللہ۔ عیسیٰ و یحیی، یوسف، ادریس، ہارون، موسی، ابراھیم خلیل اللہ، صلوٰت اللہ و سلامہ علیہم۔ (۲) تمسک العرش بازیالہ۔ (۳) **اُدْنُ مِنِّیْ یَا اَحْمَدُ** الحدیث۔ (۴) **وھو بالا فق الا علی**۔ (۵) **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی** (۶) **ولقد راہ نزلۃ اخری** (۷) اٹھا قوسین کا فاصل۔ اس لئے کہ **او ادنیٰ** کے معنی ہیں بل اقرب یعنی دو کمانوں کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوئے تو فاصل اٹھ گیا۔ (۸) حامد و محمود کی جگہ عابد و مسعود بھی لایا جا سکتا تھا مگر حامد و محمود میں پر لطف اشارہ یہ ہے کہ دونوں ذوات قدسیہ ایک دوسرے کے حامد بھی ہیں اور محمود بھی، جبکہ عابد و معبود میں یہ معنی متصور بھی نہ ہو سکتے تھے۔ فافہم و تدبر۔ (۹) **فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ**۔ اس میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ دنیا والوں کی فکر و ظرف میں وہ وسعت نہیں کہ وہ عطائے بے نہایت بیان کی جائے لہٰذا اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی نیز **ما اوحیٰ** سے اس عطائے ربانی کا مہتم بالشان ہونا بھی ظاہر ہوا۔ (۱۰) **لقد راٰی من اٰیٰت ربہ الکبریٰ** (۱۱) **من راٰنی فقد راٰی الحق**۔ الحدیث۔ (۱۲) احمدؐ عرش پر تھے۔ فرمایا میرا نام آسمانوں میں احمدؐ ہے اور احمد کا ترجمہ ہے اپنے رب کی حمد سب سے زیادہ کرنے والا مگر عاجزی اس انتہا کی کہ عرض گزار ہیں **ما عرفناک حق معرفتک** (۱۳) **یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ** ۔ پ ۱۸۔

تجلیات معراج

شب معراج ہے، چاند اور تارے مسکراتے ہیں
کہ مہتاب حرم افلاک کے دورے کو جاتے ہیں

زمین و آسماں روشن، مکان و لامکاں روشن
جمال ماہ طیبہ سے اجالے جگمگاتے ہیں

ہزاروں نوریوں کے ساتھ جبریل امیں امشب!
خدا کے حکم سے خیر البشرؐ کو لینے آتے ہیں

نہ اترائے بھلا کیوں لیلہ المعراج قسمت پر
کہ اس میں شاہؐ دیں، اللہ کا دیدار پاتے ہیں

خلل آئے نہ کوئی آپؐ کے آرام اقدس میں
ادب سے حضرت جبریل، آقاؐ کو جگاتے ہیں

گنہ گاران امت نے نوید مغفرت پائی
سر مژگان چشم تر ستارے جھلملاتے ہیں

حریم لامکان و عالم بالا! مبارک ہو!
تمہارے پاس ختم المرسلینؐ تشریف لاتے ہیں

زہے قسمت! شب اسریٰ پھر اپنی زیست میں آئی
پھر اپنے دیدہ و دل نور و نکہت میں نہاتے ہیں

وہ جن کی دید کا مشتاق ہے فیضان خود خالق
خدا کا شکر ہے ہم بھی انہی کے گیت گاتے ہیں

فیض رسول فیضان (گوجرانوالہ)

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپؐ کی معراج نے بخشا ہمیں اوج کمال
آپ کی معراج کی خیرات فطرت کا جمال

یوں تو سب نبیوں نے پایا ہے شرف معراج کا
آپؐ کی معراج کی ملتی نہیں لیکن مثال

آپؐ کا میلاد ہے آدم کی رفعت کا ثبوت
آپ کی معراج ہے انسان کی عظمت پر دال

قاب قوسین اور او ادنیٰ کی یکجائی کو دیکھ!
اللہ اللہ! اس قدر قرب اور اس درجہ وصال

صاحب معراج کا میں بندہ بے دام ہوں
کیوں نہ ٹھہریں سر بلند و سرخرو میرے خیال

اس طرح گزری سواری نوشہؐ معراج کی
جھوم اٹھے چاند تارے، ہو گیا گردوں نہال

لامکاں میں بھی ہمیں فیضان رکھا جس نے یاد
اس پہ صدقے جان و دل، اولاد و جد، مال و منال

فیض رسول فیضان

تعارفِ کتب

کتاب	تذکرۂ شعرائے وارثیہ
مصنف	میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
قیمت	۲۴۴
پتا	وارثی منزل، پاک سٹریٹ، اسلام آباد کالونی۔ سمن آباد لاہور۔

سلسلۂ وارثیہ ایک معروف صوفی سلسلہ ہے۔ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے پیروکار زیادہ تر یوپی پنجاب اور دکن میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بانی حاجی سید وارثؒ (۱۸۸۲-۱۹۰۵) تھے۔ دیوئ ضلع بارہ بنکی (یوپی) سے تعلق رکھتے تھے۔ انتہائی متقی اور پرہیزگار تھے۔ محبت اور اخلاص کا درس دیتے تھے۔ شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے تھے۔ سخن فہم تھے۔ خود شعر نہیں کہتے تھے لیکن اچھے شعروں کو پسند کرتے تھے اور باقاعدہ ایک بیاض میں درج کر لیتے تھے۔ اور ان کا فرمانا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے شعر کی زبان استعمال کی جائے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ وارثیہ میں لاتعداد شاعر پیدا ہوئے جن میں اکثر نے شہرت عام حاصل کی۔ مظفر وارثی، ریاض وارثی، سیماب اکبر آبادی، مضطر خیر آبادی، بیدم وارثی، حیرت وارثی، اوگھٹ وارثی خاص طور پر مشہور ہوئے اور علمی و ادبی حلقوں میں نام پیدا کیا۔ ان میں کئی ایک پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے بھی لکھے جا چکے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ سلسلۂ وارثیہ کے تمام چھوٹے بڑے شعرا کے حالات زندگی بمعہ ان کے شعری نمونوں کے قلم بند کئے جائیں اور اس ضرورت کو اسی سلسلے کے ایک مردِ قلندر جناب میاں عطاء اللہ ساگر وارثی نے پوری کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

میاں ساگر وارثی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ سادھے اور درویش منش آدمی ہیں۔ پڑھنے لکھنے کا بے حد شوق ہے۔ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے جتنا وقت ملتا ہے،

لائبریریوں میں گزارتے ہیں۔ ہمہ تن تحقیق و تجسس میں مگن رہتے ہیں۔ صاحبِ تصنیف ہیں۔ قبل ازیں دو کتابیں لکھ چکے ہیں۔ "خیر الوارثین"۔ "مشائخ ہوشیار پور" جو علمی و ادبی حلقوں میں بہت پسند کی گئی ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب "تذکرہ شعرائے وارثیہ" فاضل مصنف کی تیسری تصنیف ہے۔ جس میں تقریباً" ایک سو معروف شعرائے وارثیہ کے چیدہ چیدہ احوال زندگی اور ان کے شعری نمونے درج کیے گئے ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا' کافی مشکل اور پھیلا ہوا تھا۔ لیکن فاضل مصنف نے خدا پر بھروسا کیا اور ہمت سے کام لیا۔ اور کتاب کی تکمیل میں انہیں کافی محنت کرنا پڑی۔ دن رات ایک کرنا پڑا۔ لائبریریوں کی خاک چھاننا پڑی اور بہت سی کتابیں' رسالے اور اخبارات کھنگالنے پڑے۔ کئی لوگوں سے ذاتی رابطے کرنے پڑے۔ بھارت کا سفر بھی کرنا پڑا۔ تب جا کر یہ کتاب مکمل ہوئی۔

یہ کتاب بلاشک و شبہ تاریخ اہمیت کی حامل ہے۔ یہ صرف شعراء کا تذکرہ ہی نہیں' ایک تاریخی حوالے کی کتاب بن گئی ہے۔ مذہبی طور پر بھی اس کی ایک منفرد حیثیت ہے۔ کتاب کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم پاک اور مقدس لوگوں کی مجلس میں بیٹھے ہیں جو ہمیں بزبانِ شعر عشق و محبت کا درس دے رہے ہیں۔ انسانی قدروں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ توحید کا راگ الاپ رہے ہیں۔ شریعت کی پابندی کی تلقین کر رہے ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی زیرِ تبصرہ کتاب ایک اچھی کوشش ہے۔ تحقیق و تجسس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ برِصغیر کے مذہبی اور تاریخ لٹریچر میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ تاریخ کے طلبہ کے لئے عموماً" اور سلسلۂ وارثیہ سے تعلق رکھنے والے قارئین کے لئے خصوصاً" اس کا مطالعہ دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں ہے۔

(مبصر : شیر محمد گریوال)

ماہنامہ "نعت" لاہور کے خاص نمبر

۱۹۸۸ (جنوری تا دسمبر)

☆ حمد باری تعالیٰ ✲ نعت کیا ہے ☆ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اول و دوم)

★ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (اول و دوم) ☆ نعت قدسی

✲ غیر مسلموں کی نعت (اول) ★ رسولِ نمبروں کا تعارف (اول)

✲ میلاد النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (اول' دوم' سوم)

۱۹۸۹ (جنوری تا دسمبر)

★ لاکھوں سلام (اول' دوم) ❖ رسولِ نمبروں کا تعارف (دوم)

☆ معراج النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (اول' دوم) ● غیر مسلموں کی نعت (دوم)

+ کلام ضیاء القادری (اول' دوم) ★ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (سوم)

✱ درود و سلام (اول' دوم' سوم)

۱۹۹۰ (جنوری تا دسمبر)

✧ حسن رضا بریلوی کی نعت ✱ رسولِ نمبروں کا تعارف (سوم)

✱ درود و سلام (چہارم' پنجم' ششم' ہفتم' ہشتم)

✱ غیر مسلموں کی نعت (سوم) ✱ میلاد النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (چہارم)

▼ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (چہارم) ◗ آزاد بیکانیری کی نعت (اول)

۱۹۹۱ (جنوری تا دسمبر)

❑ شہیدان ناموس رسالت (اول' دوم' سوم' چہارم' پنجم)

✱ غریب سہارنپوری کی نعت ✱ نعتیہ مسدس ✱ فیضان رضا

✲ عربی ادب میں ذکر میلاد ✱ سراپائے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (اول)

✱ اقبال کی نعت ✱ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بچپن

۱۹۹۲ (جنوری تا دسمبر)

* نعت رباعیات ▽ آزاد نعتیہ نظم ◖سیرت منظوم

✿ نعت کے سائے میں ❋ آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)

× حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (اول، دوم، سوم)

◆ غیر مسلموں کی نعت (چہارم) ◆ سراپائے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم (دوم)

❋ سفرِ سعادت، منزلِ محبت (اول، دوم)

۱۹۹۳ (جنوری تا نومبر)

✤ عربی نعت اور علامہ نبہانی ♣ ستار وارثی کی نعت گوئی

✸ ۹۲ (قطعات) ✳ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے

✿ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاہ فام رفقا ✸ بہزاد لکھنوی کی نعت

✤ تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اول، دوم)

○ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف (حصہ چہارم)

☆ نعت ہی نعت ○ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)

○ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ دار خواتین

۱۹۹۴ (جنوری تا دسمبر)

✭ محمد حسین فقیر کی نعت ❋ نعت ہی نعت (حصہ دوم)

☆ تضمینیں ★ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی

☆ اختر الحامدی کی نعت ☆ مدینۃ الرسولؐ (حصہ سوم)

☆ شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت ☆ دیارِ نور

بے چین رجپوری کی نعت ☆ نعت ہی نعت (حصہ سوم)

☆ نور علی نور ○ معراج النبیؐ (حصہ سوم)

۱۹۹۵ء

جنوری	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاداتِ کریمہ
فروری	استغاثے
مارچ	نعت ہی نعت

قارئینِ محترم سے التماس

میری صلاحیتیں والدین کے حسنِ تربیت کے باعث نعت کی خدمت کے لئے مختص ہوئی ہیں اور ماہنامہ "نعت" لاہور کا اجرا میرے والد مرحوم راجا غلام محمد صاحب (متوفی ۱۶ مئی ۱۹۸۸ء بروز پیر) اور میری والدہ مرحومہ نُور فاطمہ (متوفیہ ۱۹ اگست ۱۹۹۰ء بروز اتوار) کی اشیرباد سے ہوا۔ اس لئے اگر آپ کو ماہنامہ "نعت" میں کوئی چیز پسند آجائے تو ان کی بلندئ درجات کے لئے دعا کریں۔

(ایڈیٹر)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۲۹۱

ماہنامہ نعت لاہور